Huququn-Niswan
by
S. Mumtaz Ali

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیارکم خیارکم لنسائکم۔ رواه الترمذی

رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ تم میں اچھے لوگ وہ ہی ہیں جو اپنی بیبیوں سے اچھا برتاؤ رکھتے ہیں

حقوق النسوان

جسکو

مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک مطبع رفاہ عام نے تصنیف کیا

اور

دار الاشاعت پنجاب نے

سنہ ۱۸۹۸ع

مطبع رفاہ عام لاہور مین چھپوایا

ادجلد ۱۰۰۰ . . . . قیمت فی جلد ۱۲ر

فہرست مضامین

حقوق النسواں

و اختلاف تمدن وغیرہ اسباب سے پیدا ہوتے ہیں - ہم ثابت کرینگے کہ موجودہ طریق تمدن کے بموجب جس قدر تفریق مرد اور عورت کی حالت اور اُن کے حقوق میں کی گئی ہے وہ اُس قدر تفریق سے جو باقتضاے خلقت وفطرت ہونی چاہئے تھی بدرجہاے زیادہ ہے اور محض فرضی خیالات اور مردوں کے تعصبات اور جہالت پر مبنی ہے - اور انسان کے تمدن کو خراب کرنےوالی اور دنیا کو سخت نقصان پہنچانے والی اور زمانۂ قدیم کے وحشیانہ پن کا بدترین نمونہ ہے ٭

ہمارے تمدن کے مختلف اوضاع و اطوار محض اس جھوٹے دعوے پر مبنی ہیں کہ مرد حاکم ہیں اور عورتیں محکوم ہیں اور عورتیں مردوں کے آرام کے لئے پیدا کی گئی ہیں - اور اس لئے وہ اُن پر تقریباً اُسی قسم کے اختیارات رکھتے ہیں جس طرح وہ ہر قسم کی جایداد پر رکھتے ہیں اور اُن کے حقوق مردوں کے حقوق کی برابر نہیں ہو سکتے - اگر اس غلط اور ناپاک اصول کو مرد صرف اپنے تعصب اور خود پسندی کا نتیجہ سمجھتے اور اُس کی تائید میں کسی دلیل کے لانے کا دعویٰ نہ کرتے تو بھی ہم کو صبر آتا - لیکن ظلم تو یہ ہے کہ اس جھوٹے دعوے کو انصاف پر مبنی اور عقلی دلایل سے مؤید اور مرضی الٰہی کے مطابق جانتے ہیں - انہیں خیالات کی غلطی کو کھول دینا اور ان کی بیہودگی کو ظاہر کر دینا ہماری اس تحریر کا موضوع ہے ٭

آسانی کی غرض سے ہم اس بحث کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں - پہلے حصہ میں ہم اُن وجوہات عقلی و نقلی پر نظر کرینگے جو مردوں کی فضیلت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں - دوم حصہ میں عورتوں کی تعلیم - اور سوم حصہ میں پردہ اور چہارم حصہ میں طریق ازدواج اور پنجم حصہ میں معاشرت زوجین سے بحث کرینگے ٭

مردوں کی فضیلت کے ثبوت میں جو وجوہات پیش کیئے جاتے ہیں جہاں تک ہم کو معلوم ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) مردوں کو خدا تعالیٰ نے طاقت جسمانی عورتوں سے زیادہ عطا فرمائی ہے اس لئے وہ اُن تمام اختیارات پر جن کو قوی الاعضاء وسخت جان وجفاکش ہونا لازم ہے بالاولیت استحقاق رکھتے ہیں۔ اسی واسطے سلطنت بھی جو صریحاً زور بازو کا نتیجہ ہے مردوں ہی کا حق ہے +

(۲) مردوں کے قُویٰ عقلی بھی اپنے قُویٰ جسمانی کے متناسب عورتوں کے قُویٰ عقلی سے بہت اعلیٰ و اقویٰ ہیں۔ اسی واسطے عورتیں ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں ناقص العقل سمجھی گئی ہیں۔ عورتوں کی زُود اعتقادی۔ نامعاملہ فہمی۔ کوتاہ اندیشی۔ بے وفائی وغیرہ صفات کی بنیاد اسی نقص عقل پر ہے +

(۳) جس طرح جملہ نعمتہائے دنیاوی میں سے سلطنت افضل ہے اسی طرح جملہ انعام الٰہی میں سے سب سے بڑھ کر نبوت ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ مخصوص کی ہے۔ اور کسی عورت کو دنیا کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجا +

(۴) مذہباً مردوں کی فضیلت میں قرآن مجید کی وہ آیت نقل کی جاتی ہے جس میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ اور اس کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں +

(۵) ایک اور نقلی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اوّل حضرت آدم کو پیدا کیا۔ پھر اُس کے آرام کے لئے عورت کو پیدا کیا۔ اس لئے عورت کو مرد کا محکوم و خدمتگزار ہو کر رہنا اور اُس کے آرام و خوشی کا ذریعہ بننا اور اُس کے آرام کو اپنے آرام پر مقدم رکھنا اصلی منشاء الٰہی

معلوم ہوتا ہے ؛

(۶) قرآن مجید میں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کی برابر قرار دینا اور تقسیم ترکہ میں عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے نصف قرار دینا بھی مردوں کی فضیلت کی قطعی دلیل ہے ؛

(۷) مردوں کو ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت ہونا اور اس کا عکس جایز نہ ہونا بھی صاف ظاہر کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو مردوں کی زیادہ مراعات منظور ہے ؛

(۸) عالم آخرت میں بھی مردوں کو نیک اعمال کے بدلے خوبصورت بیبیوں کے ملنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ مگر عورتوں کو نیک اعمال کے بدلے اس قسم کا وعدہ نہیں دیا گیا ؛

ان دلایل عقلی و قرآنی کے علاوہ چند اور دلایل بہار دانش کی نجس حکایات سے اخذ کی گئی ہیں۔ جس کے ذکر سے اگرچہ منشی عنایت اللہ صاحب مصنف کو شرم نہیں آئی۔ مگر ہم اس کے حوالہ سے بھی شرم کرتے ہیں ؛

یہ ہیں تمام شواہد و براہین جن کو چاہے منطقی کہو۔ چاہے فلسفی۔ چاہے خیالی اوہام۔ انہیں دلایل کی بناء پر وہ حکم ناطق صادر کیا گیا ہے جس کے رو سے آدھی دنیا کو ذلیل غلامی میں ڈال کر مردوں کا حلقہ بگوش غلام بلکہ غلام سے بدتر بنایا ہے۔ اور اشرف المخلوقات میں سے احسن التقویم مخلوق کو پاجی سے پاجی مرد کی صرف ناپاک شہوت رانی اور نالایق کجروی اور بے ٹھکانہ خود پسندی کی اغراض پورا کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے ؛

اب ہم اُن دلایل پر غور سے نظر کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا حقیقت میں یہ دلایل حجت منطقی کا رتبہ رکھتی ہیں یا محض ابلہ فریب اقوال ہیں جو جھوٹے دعوی کرنے والوں نے اپنے

دل خوش کرنے کو گھڑ لئے ہیں۔ جو شخص اپنے تئیں تمدنی اثروں سے خالی الذہن کرکے اور بلا اس امر کے اندیشہ کے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں اُس پر واقعی مجھکو عمل کرنا پڑیگا۔ اور اُس عمل کا نتیجہ موجودہ حالت معاشرت کے روسے میرے یا میرے خاندان کے حق میں کیا ہوگا دلایل مذکورہ پر ذرا سا بھی غور کریگا اُسے معلوم ہوجائیگا کہ یہ دلایل سراسر پوچ اور بے معنی اقوال ہیں جن کو نہ حُجّت شرعی کہہ سکتے ہیں۔ نہ بُرہان منطقی۔ بلکہ عرف عام کے موافق قیاس غالب پیدا کرنے کے لئے بھی مفید نہیں۔ چہ جا کہ اُن سے قطعیت کا فایدہ مترتّب ہو۔

دلیل اوّل جو قوت جسمانی کی فضیلت پر مبنی ہے محض ایک بے سند قول ہے جس کو کسی طرح دلیل نہیں کہہ سکتے۔ ہم نے تسلیم کیا کہ مردوں کو عورتوں کی نسبت قوت جسمانی زیادہ حاصل ہے لیکن اس سے یہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ قوت جسمانی ایسی شے ہے جس کی وجہ سے مرد من حیث الانسان عورتوں پر شرف و فوقیت رکھتے ہیں۔

قوی الاعضاء کے لئے قوت کے کام اور ضعیف الاعضاء کے لئے آسانی کے کام مخصوص ہونے بھی بالبداہت ظاہر ہیں۔ کون کہتا ہے کہ محنت و مشقت و جفاکشی کے کام مردوں کو نہیں ملنے چاہئیں۔ مرد شوق سے محنتیں اُٹھائیں۔ پہاڑ کاٹیں۔ درخت کاٹیں۔ انسانوں کے گلے کاٹیں یا اور کام جن کو اُن کی سختی اور سخت دلی مقتضی ہو وہ کریں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا اس قسم کے افعال کی طاقت ہونے سے اُنہیں کسی سچّی فضیلت یا شرافت حاصل ہونے کا دعویٰ پہنچتا ہے جس کا جواب دلیل مذکورہ میں مطلق موجود نہیں۔ ہمارے اس سوال کا جواب اور استدلال مذکورۂ بالا کا بھدا پن اور بے محل ہونا پورے طور پر اس طرح ظاہر ہو سکتا ہے کہ بجاے

عورتوں اور مردوں میں مقابلہ کرنے کے یہ ہی دلیل اگر مردوں اور چوپایوں میں مقابلہ کرنے کے لئے یوں قایم کی جاے کہ چونکہ چوپایوں کو خدا نے مردوں سے زیادہ طاقت جسمانی بخشی ہے۔ اس لئے اُن کو مردوں پر فوقیت وفضیلت حاصل ہے تو اس استدلال کو بھی لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا دونو منطقی دلیلیں بالکل ٹھیک ہیں اور صحیح نتیجہ نکلنے کی جتنی شرایط ہیں وہ سب موجود ہیں۔ اور نتیجے بھی صحیح ہیں پس استدلال مذکورۂ بالا کی بناء پر مردوں کو اگر عورتوں پر کوئی فضیلت ہے (بشرطیکہ اُس کو لفظ فضیلت سے تعبیر کرنا جایز ہو) تو وہ ایسی ہی ہے جیسی بہایم کو مردوں پر ہے۔ لیکن اگر اس سے کہ گدھے میں ایسا بھاری بورا اُٹھانے کی طاقت ہے جو مرد نہیں اُٹھا سکتا گدھے کی فضیلت ثابت نہیں کرتا تو مرد بھی اس امر سے اپنی فضیلت ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ عورتوں کی نسبت اعمال شاقہ کے برداشت کرنے کی زیادہ طاقت رکھتے ہیں +

آسانی کی غرض اور ذہن نشین کرنے کے لئے اس دلیل کا بے محل ہونا ہم اور طرح پر ظاہر کرتے ہیں۔ سوچنا چاہئے کہ مرد اور عورت میں مقابلہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ مرد اور عورت حیوانیت میں تو شریک ہیں ہی۔ اور اُن کو مرد انسان اور عورت انسان یا مختصراً مرد اور عورت حیوانیت کے لحاظ سے نہیں کہتے۔ بلکہ انسان سے جو مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے مراد ہے حیوان + قُویٰ نفس ناطقہ۔ یا یوں کہو کہ حیوان مع شئِ زاید۔ پس یہ ہی شے زاید ہے جس نے حیوان کو اونچا کر کے انسانیت کی سطح مرتفع تک پہنچایا ہے اور اُن میں مقابلہ کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آیا انسان کے دونو افراد حیوانیت سے ترقی کر کے یکساں سطح پر پہنچے ہیں۔ یا مرد زیادہ بلندی پر پہنچا ہے۔ مگر پہلی دلیل اس امر کی نسبت بالکل ساکت ہے۔ اس سے

صرف اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ مرد کا ڈیل ڈول زیادہ مضبوط ہے۔ ہڈیاں سخت ہیں۔ ٹانگیں قوی ہیں۔ حالانکہ یہ امور اُس "شئے زاید" میں داخل نہیں۔ بلکہ حیوانیت سے تعلق رکھتے ہیں جس میں مرد اور عورت کا مقابلہ مطلوب نہیں ہے ٭

سب جانتے ہیں کہ مرد اور عورت حیوان کی انواع ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حیوان میں حیوانی صفات کی تیزی اور خونخواری اور وحشت اور غضبناکی کم کرکے اور اپنی حکمت بالغہ سے اُس میں قوئ ملکوتی رکھ کر حیوان کی ایک نئی نوع بنائی ہے جس کا نام انسان رکھا گیا ہے۔ پس مرد اور عورت کے مقابلہ سے انہیں قوئ ملکوتی میں مقابلہ مقصود ہے نہ خصایل حیوانی میں خصایل حیوانی میں مرد کی فضیلت یا زیادتی ثابت کرنا خصایل انسانی کے لحاظ سے اُن کی رذالت ثابت کرنا ہے

ثانیاً۔ اگر یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ مردوں کو قوت جسمانی کے لحاظ سے عورتوں پر فضیلت ہے تب بھی یہ قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ مردوں کو یہ قوت فطرتاً حاصل ہوئی ہے یا خاص طور کے تمدن نے اُن کو قوی بنا دیا۔ جہاں تک ظاہری اسباب پر نظر جاتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوتِ جسمی کی کمی بیشی مرد اور عورت میں فطری نہیں ہے۔ بلکہ خاص خاص قسم کے تمدن و معاشرت نے ہزارہا صدیوں کے بعد اس قدر فرق پیدا کر دیا ہے جیسا کہ مختلف اقوام میں اس قسم کے عاضی فرق امتداد زمانہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کابل کے آفریدی اس قدر قوی ہیکل اور شدید القوۃ ہیں اور کلکتہ کے باؤ عموماً بودے اور پھسپھسے ہیں۔ کیا سبب ہے کہ پنجاب کے سکھ ہژبرانِ پنجاب کہلاتے ہیں اور ہندوستان کے بنئیے اپنی نامردی اور ڈرپوک ہونے میں ضرب المثل ہیں۔ جن اسباب نے عورتوں کو ضعیف کیا کچھ شک نہیں کہ اُن کا عمل اُن زمانوں سے بہت

پہلے کا ہے جب سے بنگالیوں یا بنیوں کے ضعف کے اسباب شروع ہوئے۔ اس قول کی تصدیق
کہ مرد اور عورت کی قوت کی کمی بیشی فطری نہیں ہے۔ بلکہ عارضی اور اتفاقی اسباب کا نتیجہ ہے اس
امر سے ہوتی ہے کہ اگرچہ دُنیا بھر کی عورتیں ایک حد تک خاص قسم کی زندگی بسر کرتی ہیں تاہم
بہت سے تمدّنی حالات میں اختلاف ہونے کی وجہ سے مختلف ممالک و اقوام کی عورتوں کے
قویٰ جسمانی میں فرق بیّن پایا جاتا ہے۔ غزنیں اور ہرات کی عورتوں کے قویٰ جسمانی کا مقابلہ کرو
شرفاء دہلی و لکھنؤ کی بیگمات سے تو ظاہر ہو جائیگا کہ یہ فرق اس قدر ذاتی و خلقی نہیں جس قدر
تمدنی ہے۔ یعنے عورتوں کا یہ ضعف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ عورتوں کو مردوں کی سطح سے
ایک نیچی سطح پر رکھ کر اُن کی قوتوں کو کمزور اور معطل اور رفتہ رفتہ معدوم کر دیا۔

پہلی دلیل کا دوسرا حصہ یا یہ کہو کہ اُسی دلیل کے پہلے حصہ کا نتیجہ جو اِن الفاظ میں نکالا گیا
ہے کہ سلطنت قوت بازو کا نتیجہ ہے اَور بھی زیادہ بیہودہ اور غلط خیال ہے۔ انسانی تہذیب کے
ابتدائی زمانہ میں جبکہ وحشت و جہالت کی گھٹا دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور انسانوں کے تمدنی حقوق
اور معاشرت کے طُرُق موضوع نہیں ہوئے تھے ہر ایک امر جو موجب منفعت تصور ہوتا تھا اُسی قدیم
وحشیانہ اصول سے کہ "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" تصفیہ پاتا تھا۔ بااینہمہ کسی سُورما سے
سُورما کی بھی ایسی لاٹھی نہ تھی کہ بلا مدد دیگر ہمجنسوں کے دُنیا بھر کی بھینسوں کو گھیر لاتی۔ جس زمانہ
میں انسان کو سلطنت یا سلطنت کے مشابہ کسی قسم کی ادنیٰ درجہ کی حکومت کرنے کا سلیقہ حاصل
ہوا تو اُس وقت تک انسان نے محض وحشیانہ منفرد زندگی سے نکل کر اس قدر ترقی کر لی تھی کہ
جماعت مدنی باقاعدہ طور پر قایم ہو گئی تھی اور اُس کے حفظ کے قواعد منضبط ہو گئے تھے۔ یا یوں کہو

کہ لوگ اُن کو سمجھنے لگے تھے اور اُن کی پابندی پر لوگوں کو مجبور کرنے لگے تھے۔ گویا کہ حاکم وقت صرف اپنی قوت بازو سے حکومت نہیں کرتا تھا بلکہ اپنے وفادار دوستوں اور جاں نثار ساتھیوں کے بھروسہ پر حکومت کرتا تھا۔ ہر قسم کی حکومت و سلطنت کا آج تک یہ ہی اصول چلا آتا ہے۔ اس قسم کی حکومت کی تخصیص مردوں سے ہونی کچھ معنی نہیں رکھتی اسی لئے باوجود اس امر کے کہ مردوں کو ہمیشہ اپنی برتری کا خیال رہا ہے۔ اور استعمال اختیارات کے باب میں مردوں نے ہمیشہ عورتوں کے برخلاف اپنے تعصّب کا اظہار نہایت اصرار کے ساتھ کیا ہے مگر پھر بھی مردوں نے ہی اس قسم کی حکومت میں اپنی تخصیص نہیں رکھی اور ہر ملک اور ہر قوم میں کسی نہ کسی زمانہ میں عنان حکومت عورات کے ہاتھ میں آئی ہے اور بعض عورتوں نے تو اس سلیقہ سے فرماں روائی کی ہے کہ طبقۂ ذکور میں اُن کے پلہ کا حکمران ملنا مشکل ہے۔ ہندوستان میں رضیہ بیگم کی سلطنت کا زمانہ اگرچہ بہت مختصر تھا مگر پھر بھی اپنے امن امان کے لحاظ سے بہت سے بادشاہوں کے زمانوں سے بہتر تھا۔ جہانگیر کا عہد حقیقت میں نورجہاں بیگم کا عہد تھا اور اپنے بے نظیر امن امان و انتظامات ملکی کے لحاظ سے تاریخ ہندوستان میں سُنہری حرفوں سے چمکتا رہیگا۔ خود اس زمانہ پر غور کرنی چاہیئے کہ جناب ملکہ معظمہ قیصر ہند کس خوبی و حسن انتظام اور امن و امان کے ساتھ کشورکشائی اور دادِ داد گستری دے رہی ہیں۔ کیا اب بھی کہا جا سکتا ہے کہ سلطنت مردوں ہی کا حق ہے؟

علاوہ ازیں یہ خیال کہ سلطنت زور بازو کا نتیجہ ہے محض غلط خیال ہے۔ علم کی ترقی اور تہذیب کی اشاعت اور ہمارے ملک پر سلطنت برطانیہ کی حکومت نے خوب سمجھا دیا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑھ کر طاقت علم کی ہے۔ اور علم والے ہی خواہ وہ مرد ہوں خواہ وہ عورت چاہلو

پر حکومت کرنے کا حق رکھتے ہیں اور اصلی سچی فضیلت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ پس ہمیں امید ہے کہ آیندہ مرد اپنے چوڑے چکلے ڈیل ڈول اور سخت ہڈیوں پر فخر کرکے عورتوں پر فضیلت ثابت کرنے کا نام نہ لینگے بلکہ کسی عمدہ معقول دلیل کی تلاش کرینگے +

دلیل دوم محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اگرچہ تشریح دانانِ زمانۂ حال نے نہایت باریک فرق مرد اور عورت کی ساخت جسمانی میں پایا ہے اور عورتوں کے جسم کی بعض استخوانوں کو مردوں کے استخوانوں کی نسبت کسی قدر نازک بتایا ہے مگر اس قسم کا کوئی فرق جرم دماغ اور اُن مقامات دماغ کی نشو ونما میں جن پر خاص خاص قویٰ دماغی کا مدار ہے صاف طور پر آج تک نہیں پایا۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس حالت میں کہ باوجود اس کے کہ تمدنی حالت نے عورتوں کی جسمانی طاقت کو مردوں کی جسمانی طاقتوں سے بہت ادنیٰ کر دیا ہے یہاں تک کہ اُن کی ہڈیوں کے مقدار میں بھی فرق محسوس ہونے لگا ہے تاہم اُن کے دماغ مردوں کے دماغوں سے کسی طرح کمتر نہیں ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اگر عورتوں کی جسمانی طاقتوں کو اُن کی تمدنی حالت زیادہ نشو ونما وتکمیل حاصل کرنے دیتی تو غالبًا بلکہ یقینًا اُن کی دماغی طاقتیں مردوں کی دماغی طاقتوں کی نسبت زیادہ شگفتہ ہوتیں +

پہلی دلیل کی طرح اس دلیل میں یہ بھی بڑا بھاری سُقم ہے کہ اُس فرق کو جو عارضی اسباب سے پیدا ہوا ہے خلقی فرق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ بفرض محال اگر عورتوں کے دماغ مردوں کے دماغوں کی نسبت علم تشریح کے رو سے کسی قدر ناقص بھی ثابت ہوں تب بھی یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ یہ لازمی نتیجہ ہے موجودہ تمدنی حالت عورات کا جس کے رو سے اُن کی صحت جسمانی

کی طرف سے کمال بے توجہی کی جاتی ہے۔ اور اُن کے نظام عصبی پر ایسے مضر اثر ڈالے جاتے ہیں جن سے اُن کے قویٰ دماغی کے مختل ہونے کا اور اُن کو بے صبر۔ جلد باز۔ متلون مزاج۔ زود رنج۔ زود اعتقاد اور سخیف الرائے بنا دینے کا ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے۔ جس حالت میں مردوں اور عورتوں کو مساوی سطح پر نہیں رکھا گیا اور جس حالت میں ترقی علم کے میدان میں اُن کی دوڑ ایک مقام سے شروع نہیں ہوئی تو مردوں کی سبقت کیونکر اصلی سبقت قرار پا سکتی ہے۔ کیا اس بنا پر کہ زُولو قوم کے لوگ وحشیانہ پن اور جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ملک انگلستان کے لوگ علوم حکمیہ کی ترقی میں حکماء یونان کو مات کر رہے ہیں یہ نتیجہ نکالنا جایز ہوگا کہ انگلستان کے انسان اور زولو کے دماغ اور قویٰ دماغی میں کوئی اصلی فرق ہے۔ پس اگر عورتوں کی ساخت دماغ میں بھی کوئی فرق محسوس ہو بھی تو بھی کوئی نتیجہ عورتوں کے خلاف نہیں نکلتا۔ اور کچھ شک نہیں کہ جب ہزارہا صدیوں تک نسلاً بعد نسلٍ عورتوں کے دماغ کو بیکار رکھنے کے بعد بھی ہم اُن میں مردوں کی نسبت کسی قسم کی کمی نہیں پاتے تو ضرور اس سے عورتوں کا قُویٰ دماغی میں مردوں سے اعلیٰ و برتر ہونا بخوبی ثابت ہے +

دلیل سوم میں جو مردوں کی فضیلت اس بنا پر ثابت کی ہے کہ فرقہ اناث میں سے کوئی

اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا وہ سب مرد تھے یا سب عورتیں تھیں۔ یا کچھ مرد اور کچھ عورتیں صرف چند افراد کا حال معلوم کرکے ایسی کثیر تعداد کی نسبت حکم کلی لگا دینا یا کوئی قیاس ظنی قایم کرنا محض تحکم ہے۔ اور جب تک ہم کو سب انبیاء کا حال معلوم نہ ہولے تب تک اس معاملہ میں ہمیں لب کشائی کرنا مناسب نہیں ہے ٭

ثانیاً۔ عورات کی خلقت مقتضی اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا دشوار کام جس کے سرانجام کے لئے سالہا سال کی علی الاتصال محنت درکار ہو اور گھر بار اور اہل و عیال سے کلی علٰحدگی ضرور ہو عورات کے فرایض میں داخل نہ کیا جاے۔ اس قسم کی خدمت گزاریوں سے عورتوں کو بری رکھنا اُن کی عُلوِ شان کو جتلاتا اور اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ گو مرد عورتوں سے راحت و آرام پانے کے لئے ہیں اور عورتیں مردوں سے۔ الا عورتوں کا آرام و آسایش خدا تعالیٰ نے زیادہ مقدم سمجھا۔

ثالثاً۔ ہم ہرگز کل مردوں اور کل عورتوں میں بالعموم مساوات کے قایل نہیں بلکہ اس بات کے قایل ہیں کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق ذاتی نہیں ہے۔ صرف عارضی اسباب سے کبھی بعض عورات بعض عورات پر اور کبھی بعض مرد بعض مردوں پر اور کبھی بعض مرد بعض عورتوں پر اور کبھی بعض عورتیں بعض مردوں پر سبقت و فوقیت لے جاتی ہیں۔ پس چند افراد کی فوقیت سے ایک پورے طبقہ کی فوقیت دوسرے پورے طبقہ پر لازم نہیں آتی۔ غایت ما فی الباب یہ ہوگا کہ جس طرح اُن مردوں کی جو نبی ہوئے فوقیت یا فضیلت باقی مردوں پر ثابت ہے اُسی طرح اُن کی فضیلت عورتوں پر بھی ثابت ہوگی اس لئے اس دلیل سے بھی غیر نبی مردوں اور عورت میں کوئی ایسا اصلی فرق ثابت نہ ہوا جو کل طبقہ ذکور کی فضیلت کے ثبوت میں ذرا بھی کچھ مدد دیسکتا

کیا جو عزت و فخر حضرت آمنہ کو حاصل ہے کہ اُن کے شکم اور کنار عاطفت میں فخر عالم و عالمیان نے پرورش پائی یا جو فضیلت ہر نبی کی والدہ ماجدہ کو اس امر سے حاصل ہوئی کہ اُس کے شکم سے نبی پیدا ہُوا وہ دُنیا بھر کی تمام عورات کو حاصل ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ عزت جن خوش نصیب عورتوں کے لئے روز ازل سے مقرر کی گئی تھی وہ انہیں ہی ملی۔ کیا ہُوا کہ دُنیا کی اَور عورتیں بھی اُسی طبقہ اناث سے ہیں جس میں سے وہ تھیں۔ اسی طرح کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ جو عزت انبیاء کو حضرت احدیت سے عطا ہوئی اُس عزت کے کسی حصہ کو دُنیا کے تمام مرد خاص اپنی طرف منسوب کریں محض اس وجہ سے کہ ہماری صُورت شکل ناک کان بھی نبیوں کے سے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ؎ کار پاکاں راقیاس از خود مگیر۔ در نوشتن گرچہ ماند شیر و شیر ÷

دلایل نقلیہ کا جواب

دلایل عقلیہ مذکورۂ بالا کے بعد جو چند نقلی اقوال بیان کئے جاتے ہیں اُن کی یا تو کچھ اصلیت ہی نہیں یا اُن سے وہ مطلب مستفاد نہیں ہوتا جو اُن اقوال سے سند لانے والے نکالنا چاہتے ہیں ÷

سب سے بڑا ثبوت جو اُن کے پاس مردوں کی فضیلت کا قرآن مجید سے نکل سکتا ہے وہ آیت ہے جس میں فرمایا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بما فضل اللہ بعضہم علیٰ بعض وبما انفقوا من اموالہم۔ جس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔ کیونکہ اللہ نے اُن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور انہوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسر لکھتے ہیں کہ مردوں میں دو قسم کی فضیلتیں ہیں۔ ایک وہ جو قوت نظریہ

اور قوت علیہ کے قوی ہونے کی وجہ سے اُن کو بالذات حاصل ہے۔ دوسری یہ فضیلت کہ مرد عورتوں کو مصارف مثلاً روٹی کپڑا وغیرہ دیتے ہیں۔ مگر ہم کو اس تفسیر کے ساتھ اتفاق نہیں ہے کیونکہ اولاً تو قوّام کا ترجمہ بلفظ حاکم کرنا ہماری رائے میں صحیح نہیں ہے۔ اور سوائے مولانا شاہ عبد القادر کے کسی نے یہ ترجمہ اختیار نہیں کیا۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے قوّام کا ترجمہ قیام رکھنے والا کیا ہے۔ اُن کے والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے تدبیر کارکنندہ ترجمہ کیا ہے۔ ایک اور فارسی ترجمہ میں جو سعدی کے ترجمہ کے نام سے مشہور ہے قوّام کا ترجمہ کارگزار کیا گیا ہے۔ ثانیاً اس ترجمہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے کا کیا مطلب۔ اگر پہلے بعض سے بعض مرد مراد ہیں اور دوسرے بعض سے بعض عورتیں تو سب مردوں کی فضیلت سب عورتوں پر ثابت نہیں ہے۔ اگر دونوں جگہ مردوں کی طرف اشارہ ہے تو اس بات کے کہنے سے کہ بعض مرد بعض مردوں پر فضیلت رکھتے ہیں مردوں کی فضیلت عورتوں پر کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔ ثالثاً اگر بعضھم میں ضمیر ھم انسانوں کی طرف راجع سمجھیں اور پہلے بعض سے بعض انسان یعنی کُل مرد اور دوسرے بعض سے اسی طرح کُل عورتیں مراد ہوں تب بھی اس آیت سے مردوں کی کوئی اصلی و خلقی و فطری فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اول اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس امر میں فضیلت ہے۔ دوم اگر یہی سمجھا جاوے کہ آیت کے پہلے حصہ میں قوت نظری اور عملی کی فضیلت مراد ہے اور حصہ موخر میں نان و نفقہ دینے کی فضیلت مراد ہے تب یہ اعتراض ہوگا کہ یہ فضیلت اس خلقی فرق پر جو عورت کو مرد سے متمیز کرتا ہے مبنی نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس

وجہ کو وجوہ فضیلت میں داخل نہیں رکھ سکتے۔ مرد کی فضیلت عورت پر بلحاظ علم اکتسابی یا سخاوت
یا دیگر صفات کے جو تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں دوسری چیز ہے اور مرد کی فضیلت عورت پر
بلحاظ مرد ہونے کے دوسری شے ہے۔ پہلا امر اکتسابی ہے اور دوسرا فطری۔ بہت سی عورتیں
ایسی نکلینگی جن میں یہ اکتسابی فضایل نظریہ وعملیہ مردوں سے زیادہ ہونگے اور ایسی صورت میں
اُن عورتوں کو مردوں پر فضیلت ہوگی۔ کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ ابوجہل کی قوۃ نظریہ وعملیہ حضرت
خاتون جنت خدیجۃ الکبریٰ سے بڑھ کر تھی۔ یا ابولہب میں یہ صفات حضرت فاطمہ سے بدرجہ
اتم تھیں۔ یا تمام مرد یا اُن کا حصہ کثیر عرفان الٰہی اور خداشناسی کی صفت میں رابعہ بصری سے
فوقیت وفضیلت رکھتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس دیکھو باپ بیٹوں کو گذارہ دیتا ہے۔ آقا نوکر کو
خرچ دیتا ہے۔ پھر کیا اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آقا کو نوکر پر ذاتی فضیلت ہے۔ ہرگز نہیں
اگر اتفاق زمانہ سے آقا نوکر اور نوکر اُس کا آقا ہو جاے تو یہ فضیلت بالکل برعکس ہو جاے گی۔
حالانکہ ایسا ہونا ذاتی ہونے کے لوازم کے خلاف ہے۔ پس اس آیت سے مردوں کی بالکل
فضیلت ثابت نہیں ہوتی +

آیت مذکورہ کے الفاظ نہایت صریح وصاف ہیں۔ قوّام مبالغہ کا صیغہ ہے جو شخص بوجہ
انتظام کاروبار و اہتمام معاملات بیٹھنے کی مُہلت نہ پاتا ہو اور اُس کے زیادہ تر اوقات قیام
میں گذرتے ہوں وہ قوام کہلاتا ہے۔ چونکہ مردوں کو حصول معیشت کے لئے دور دور ملکوں میں
پھرنا اور عورتوں کے آرام کے لئے کمانا پڑتا ہے اس لئے مرد عورتوں کے قوام یا کارگزار یا مہتمم
ہیں۔ چونکہ دنیا میں کوئی امیر ہے۔ کوئی غریب۔ کوئی فیاض طبع۔ کوئی بخیل۔ اس لئے خداتعالیٰ

نے فرمایا کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے۔ پس تم جیسی استطاعت یا حیثیت معیشت رکھتے ہو اُسی کے مطابق عورات کی کارگزاری و خدمت کرو۔ حاکمی محکومی کا کچھ ذکر اس آیت میں نہیں ہے اور اگر ہے تو معنی مُتبادر سے عورتوں کی فضیلت اور مردوں کا اُن کا خدمتگزار و کارگزار ہونا ثابت ہوتا ہے ؀

دوسری نقلی دلیل اس امر پر مبنی ہے کہ قرآن مجید نے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر اور عورت کا حصہ ترکہ مرد کے نصف حصہ کے برابر قرار دیا ہے۔ مگر اس سے بھی مردوں کی کوئی اصلی یا فطری فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس اعتراض کے جواب کے لئے متعدد امور قابل غور ہیں اولاً عورتوں کو جس تمدنی حالت میں رکھا گیا ہے اُس حالت نے اُن کو ایسا جاہل اور نا معاملہ فہم اور نا تجربہ کار بنا دیا ہے کہ اگر ہر قسم کے معاملات و مقدمات میں مرد اور عورت کی شہادت کا وزن بالکل یکساں رکھا جاتا یا اب بھی رکھا جاے تو اہم معاملات میں سخت ابتری پڑنے کا اندیشہ ہے ؀

جس آیت کے رو سے ایک مرد کی شہادت دو عورتوں کی شہادت کے مساوی قرار دی گئی ہے وہ آیت تمسک قرضہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تحریر تمسکات و دستاویزات حساب کتاب مطلوبہ عدالت یا محکمۂ قضاۃ ایسے معاملات ہیں جو عام طور پر عورات کے لئے غیر معمولی قسم کے کام ہیں اور بوجہ کمی تعلیم و قلت تجربہ و عدم واقفیت ایسے معاملات ہیں جو عورات کی حالت کے مناسب نہیں نہ اُن کو عورات عرصہ دراز تک یاد رکھ سکتی ہیں۔ مردوں کو چونکہ اس قسم کی معاملہ فہمی کی عادت ہوتی ہے وہ ایسے معاملات کو بخوبی یاد رکھ سکتے ہیں۔ اس واسطے

ایک عورت کی بجاے دو عورتیں شہادت کے لئے ضروری ٹھیریں تاکہ اگر ایک عورت صورت معاملہ بھول جاے تو دوسری عورت اُس کو یاد کرا سکے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں شہادت مذکورہ بالا کا ذکر آیا ہے وہاں یہ ہی علّت اُس حکم کی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ دو عورتیں ہونی چاہئیں کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری عورت اُس کو یاد کرا سکے۔ جب قرآن مجید نے خود اس تفریق کی یہ وجہ قرار نہیں دی

ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی

کہ عورت بلحاظ خِلقت مرد سے نصف درجہ رکھتی ہے تو بیچارے فُقہاء کس گنتی میں ہیں جو محض اپنے ذہن نارسا سے ایسے وجوہ فاسدہ اختراع کرکے نصف دنیا کی حق تلفی کریں +

ثانیاً۔ قرآن مجید کا یہ حُکم جس میں اس قسم کی شہادت کا ذکر ہے ایک اختیاری حُکم ہے جس کی تعمیل ہر مسلمان پر ضروری اور لازمی قرار نہیں دیگئی۔ پس ایک ارشادی حُکم کی ذیل میں ایک امر کا محض ضمنی طور پر مذکور ہونا خود اپنی وقعت کھونے یا کم کرنے کے لئے کافی ووافی ہے +

ثالثاً۔ ہمنے جو وجہ اول میں بیان کیا کہ دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے مساوی قرار دینا بلحاظ نوعیت معاملہ ہے نہ بلحاظ کمی و زیادتی درجہ ذکور واناث اس کے ثبوت میں یہ بھی پیش ہو سکتا ہے کہ تمسک مذکورہ کے علاوہ دیگر معاملات میں جو فہم عورات کے لئے غیر معمولی نہیں ہیں مثلاً معاملات نکاح۔ طلاق۔ حدود و قصاص وغیرہ میں جہاں کہیں قرآن مجید میں شہادت کے باب میں احکام آئے ہیں وہاں اس قسم کی تفریق درجہ نہیں کی گئی +

رابعًا۔ بلکہ اسی اعتراض کے متعلق ایک امر ایسا بھی ہے جس سے شہادت کے باب میں مردوں پر عورات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے مثلاً صحیح بخاری میں عقبہ بن حارث کا ایک

قصہ لکھا ہے کہ اُس نے کسی لڑکی سے نکاح کر لیا تھا۔ ایک عورت نے آکر اُس کو اطلاع دی کہ یہ نکاح کس طرح جایز ہو سکتا ہے جبکہ میں نے اس لڑکی اور لڑکے دونوں کو دُودھ پلایا ہے عقبہ نے کہا کہ تو نے آج تک کبھی مجھ سے یہ ذکر نہیں کیا کہ میں نے تجھے دُودھ پلایا ہے پس میں کس طرح اس بات کو تسلیم کروں۔ اس کے بعد اُس نے اپنی سسرال والوں سے بھی اس بات کا استفسار کیا۔ انہوں نے بھی یہی بیان کیا کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس عورت نے اس لڑکی کو کبھی دُودھ نہیں پلایا۔ آخر عقبہ جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور حال عرض کیا۔ آپ نے صرف اُس ایک عورت کی شہادت پر نکاح فسخ کر کے شوہر و زوجہ میں تفریق کرا دی +

اب بتاویں ہمارے خود بین فقہا کہ آیا کسی معاملہ میں اکیلے مرد کی شہادت بھی انفصال مقدمہ کے لئے کافی سمجھی گئی ہے حالانکہ ایسے کتنے ہی مسایل ہیں جن میں اکیلی عورت کی شہادت فقہا کو بھی طوعاً و کرہاً انفصال مقدمات کے لئے کافی و وافی تسلیم کرنی پڑی ہے +

خامساً۔ اس باب میں یہ بھی ظن غالب ہے کہ ایک مرد کی شہادت کی بجائے دو عورتوں کی شہادت شاید صرف اس وجہ سے ٹھیرائی گئی ہے کہ عورات بعض اوقات اپنی جسمانی معذوریوں کے سبب حاضری عدالت کے قابل نہیں ہوتیں۔ ایسی حالت میں دو عورتوں کے ہونے سے یہ فایدہ ہے کہ ایک کے معذور ہونے پر دوسری عورت شہادت دے سکتی ہے عورات کو اس قسم کا حق حاصل ہونا یعنے اپنی شہادت دوسرے سے دلوا دینا بھی اس معاملہ کا ایک ایسا پہلو ہے جس سے فی الجملہ عورات کے حقوق کی برتری مردوں پر ثابت ہوتی ہے نہ کہ اُن کے حقوق کی منقصت +

تقسیم ترکہ میں مرد اور عورت کے غیر مساوی حصے مقرر کرنے سے مردوں کی فضیلت مطلق ثابت نہیں ہوتی۔ عورت کے جملہ اخراجات و معیشت کا بار مردوں کے سر پڑا گیا ہے اور عورتوں کو سہل تر کام خانہ داری کا سپرد کیا گیا ہے۔ پس جبکہ مرد کو اپنے اور اپنی بی بی کے گذارہ کے بہم پہنچانے اور آیندہ اولاد کے لئے بھی کُل سامان معاش حاصل کرنے کا اہم فرض سپرد کیا گیا تھا تو یہ کب مناسب تھا کہ بلا ضرورت عورت کو جو اپنے والدین کے ہاں سے نکاح کے وقت بہت جہیز بھی پالیتی ہے اور معقول رقم مہر کا علیحدہ حق رکھتی ہے اور شوہر سے نان نفقہ کی الگ مستحق رہتی ہے ترکہ کی تقسیم میں بھی مرد کی برابر کرکے عورت کا پلہ بے حد وزنی کیا جاتا۔ کیسا صاف اور صریح ثبوت ہے اس امر کا کہ اللہ تعالیٰ کو حقیقت میں عورتوں کی زیادہ مراعات منظور رہے ورنہ کیا وجہ ہوسکتی ہے اس بات کی کہ اپنے شوہر کے ہمراہ جملہ اخراجات میں شریک رہ کر وہ ترکہ پدری میں علیحدہ جایداد حاصل کرے اور مہر کی جُدا حقدار ہو۔ پس تقسیم ترکہ میں حصص شرعی مردوں کی فضیلت کا ثبوت نہیں بلکہ عورتوں کی فضیلت کی دلیل ہیں۔ ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا +

آدم کو پہلے پیدا کرنے کی بنیاد پر جو دلیل قایم کی گئی ہے وہ اس قسم کی بات ہے جیسے بچے کھسیانے ہوکر باتیں کیا کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ عورت ایک دم بھی بے خدمتگذار کے رہنے کی زحمت اُٹھائے۔ اس لئے اُس کے آرام کے لئے سب سے اول آدم کو پیدا کیا۔ پھر اُس کی بی بی کو +

لیکن اگر تحقیق پوچھو تو یہ عقیدہ کہ پہلے آدم پیدا ہوا۔ پھر حوّا نصرانیوں اور یہودیوں کا

عقیدہ ہے - مذہب اسلام میں اسکی کوئی اصلیت نہیں ہے - قرآن مجید سے آدم اور اُس کے جوڑہ کی پیدایش میں کوئی تقدّم وتاخُر ثابت نہیں ہے ۔

مردوں کے لئے ایک وقت میں چار عورتوں کا نکاح جایز ہونا اور اُس کا عکس جایز نہ ہونا محض غلط بیانی اور تحکم کی بات ہے - مشکل یہ ہے کہ لوگ الفاظ کی پیروی پر مرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ معنی سخن اور حقیقت مُراد الٰہی تک پہ لے جائیں اصطلاحات کی بحث پسند کرتے اور مخالف کو ساکت کردینا غایت مناظرہ سمجھتے ہیں - لوگوں نے قرآن مجید میں پڑھا کہ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع اور خوش ہوگئے کہ قرآن مجید میں چار بیبیاں تک نکاح میں لانے کی اجازت صریح موجود ہے - حالانکہ اگر ذرا غور وتعمق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید سے کوئی اس قسم کی صریح اجازت نہیں نکلتی بلکہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنا بالکل ناجایز ثابت ہوتا ہے اور اُس کا مرتکب مرتکب حرامکاری ٹھیرتا ہے

اولاً اس آیت میں سخت اجمال ہے - اس حُکم خداوندی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ چار عورتیں اس طرح پر جایز ہیں کہ ایک وقت میں اُن سے نکاح کرلیا جائے - یا اس طرح کہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا نکاح ہو اور دوسری کے مرنے کے بعد تیسرا نکاح اور تیسری کے مرنے کے بعد چوتھا اور چوتھے نکاح کے بعد نکاح کی کُلّی ممانعت ہو - یا یہ مراد الٰہی ہو کہ اگر اتفاقاً کسی حالت صحت جسمی کے نقص سے بیوی فرایض زوجیت کے پورا کرنے کے قابل نہ رہے تو دوسرا نکاح اور اُس کے معذور ہونے پر تیسرا نکاح - علیٰ ہذالقیاس چار نکاح تک جایز رکھے گئے ہوں - یا شاید یہ مقصود ہو کہ پہلی بی بی کو طلاق دیکر دوسری اور دوسری کو طلاق دیکر تیسری اور تیسری

کو طلاق دیکر چوتھی بیوی سے نکاح کیا جاسکتا ہے اس سے زیادہ نکاح جائز نہیں ہیں۔ یا
شاید مقصود قرآنی یہ ہو کہ ازدواج ثانی زوجہ اول کی یا اُس کے عزیزوں کی رضامندی کی
شرط سے عمل میں آنا چاہئے۔ چونکہ آیت مذکورہ صدر میں کوئی امر ایسا نہیں جس سے ان مختلف
معانی میں سے کوئی معنی واحد بالتصریح معین ہوسکیں اس لئے ہم اس آیت کو مجمل قرار دیتے
ہیں جو مفید قطعیت نہیں ہوسکتی۔ اور بدینوجہ وہ کسی حکم شرعی کے لئے نص نہیں ہے۔ ہمارے
علماء اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں مگر ہمیں یقین ہے کہ اغلب احتمال یہ ہے کہ پہلی بیوی اور
اُس کے اقربا کی رضامندی شرط ہے۔ اس یقین کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل
ہمارے لئے کافی دلیل ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ
حضرت علی نے باوجود موجودگی حضرت فاطمہ کے ارادہ کیا تھا کہ ابوجہل کی لڑکی سے جس نے
اسلام قبول کرلیا تھا نکاح کریں۔ چنانچہ اُس لڑکی کے رشتہ داروں نے جناب رسول خدا
صلعم سے اس امر کی اجازت طلب کی۔ آنحضرت کو بہت غصہ آیا اور آپ نے منبر پر بیٹھکر
ایک خطبہ پڑھا جس میں بیان کیا کہ یہ لوگ مجھ سے اجازت چاہتے کہ میری بیٹی کے ہوتے
علی کو اپنی بیٹی نکاح میں دیں۔ سو میں نہیں اجازت دیتا۔ نہیں اجازت دیتا۔ نہیں اجازت
دیتا۔ ہاں علی کو ایسا ہی کرنا منظور ہے تو میری بیٹی کو طلاق دیدے اور دوسری بیوی کرلے۔
فاطمہ میری لخت جگر ہے۔ جو اُس سے بُرائی کریگا وہ مجھ سے بُرائی کریگا۔ جو اُس کو ستائیگا وہ
مجھ کو ستائیگا۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے حکم قرآنی سے یہ سمجھا تھا کہ

نکاح ثانی کے لئے اجازت از قسم مذکورہ بالا حاصل کرنی ضرور ہے۔ اور رسول خدا صلعم کے انکار شدید سے ثابت ہوتا ہے کہ اجازت دینا نہ دینا فریق ثانی کی اپنی خوشی پر منحصر ہے اگر حکم الٰہی بغیر رضامندی زوجۂ اوّل نکاح ثانی کی اجازت دیتا تو جناب رسول خدا صلعم کا یہ فعل معاذ اللہ خلاف حکم خداوند تعالیٰ ٹھیریگا۔

علاوہ ازیں ہم باب النکاح میں ثابت کرینگے کہ ہمارے علماء محدثین نے جایز رکھا ہے کہ بروقت نکاح عورت یہ شرط کرے کہ شوہر نکاح ثانی نہیں کریگا۔ اس شرط کا جواز خود ظاہر کرتا ہے کہ دوسرا نکاح زوجہ اول کی رضامندی پر موقوف پر ہے۔ اگر یہ رضامندی شرط نہ ہوتی تو بروقت نکاح بھی ایسی شرط ٹھیرانی جایز نہ ہوتی۔ اور نہ وہ بعد نکاح کے شرعاً واجب النفاذ ہوتی ؀

پس قرآن مجید سے کوئی اجازت بالعموم چار نکاحوں کی جس طرح لوگوں نے سمجھ رکھا ہے نہیں نکلتی۔ بلکہ مسئلہ عام نکاح کے باب میں قرآن مجید کا بالکل سکوت ثابت ہوتا ہے ؀

ثانیاً اس آیت میں صاف عدل کی سخت اور ناممکن التعمیل شرط لگائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر خوف ہو کہ عدل نہ کرسکوگے تو صرف ایک نکاح لازم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عدل میں کون کون سے امور داخل ہیں اور انسان سے عدل کا ہونا ممکن ہے یا نہیں۔ قائلین تعدد ازدواج نان ونفقہ و دیگر مصارف و مکان سکونت و شباشی کی نوبت میں مساوات مطلوب ہونے کے مدعی ہیں اور ہم ان امور میں محبت قلبی و ہمدردی بھی جو اصل اصول نکاح ہے داخل سمجھتے ہیں۔ ہم اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ اس قسم کا عدل انسان سے ناممکن ہے۔ ہمارے مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ جو امر قابل تعمیل ہی نہ ہو اُس کے جواز کے ذکر سے کیا فایدہ متصور

ہے۔ اور اگر کچھ فایدہ نہیں تو حکم الٰہی لغو ٹھیرتا ہے ۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ نکاح کی اصلی غرض یہ ہے کہ انسان اپنے لئے تمام عمر کے واسطے اپنا ایک سچا ہمدرد و مونس و غمگسار پیدا کرے جو اُس کے ساتھ رنج و راحت میں شریک ہونے والا اور دُنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہونے کے بعد اُس کی تسکین قلب کا ذریعہ ہو۔ چنانچہ جہاں عورت کے پیدا کرنے اور تشریع نکاح کا ذکر کیا گیا ہے وہاں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ (سورہ روم) یعنی ہمنے تمہارے دلوں میں عورتوں کی محبت ڈالی تاکہ تم اُن سے تسکین حاصل کرو۔ پس اگر یہی امر حصول اغراض نکاح میں داخل نہ رکھا جائے تو نکاح صرف ایک ذریعہ شہوت رانی کا باقی رہ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے کہ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ۔ یعنے تم عورتوں میں ہرگز عدل نہ رکھ سکوگے خواہ تم اس بات کی حرص بھی کرو۔ اصول تفسیر کے بموجب ضرور ہے کہ حتی الامکان قرآن مجید کی ایک مقام کی تفسیر دوسرے مقام سے کی جائے اور عدل کا جو مدلول آیت اول میں قرار دیا جائے وہی آیتہ مابعد میں قایم رکھا جائے۔ اب اگر پہلی آیت میں عدل سے مُراد وہ امر ہے جو ہمارے مخالفین سمجھتے ہیں اور وہ قابل عملدرآمد ہے تو دوسری آیت میں خدائے تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ تم عدل ہرگز نہ کرسکوگے۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تم سے ہرگز عدل نہیں ہوسکنے کا۔ اور قائلین تعدد ازدواج فرماتے ہیں کہ نہیں ہم عدل کرسکتے ہیں۔ اس جُرأت و بیباکی کو خیال کرنا چاہئے اب رہا یہ سوال کہ جب خدا تعالیٰ خود جانتا تھا کہ انسان سے عدل نہیں ہوسکنے کا

اور فرمایا بھی دیا کہ تم ہرگز عدل نکرسکوگے تب عدل کی شرط سے چار نکاحوں کی اجازت دینے کے کیا معنی۔ کیا اس صورت میں یہ اجازت لغو نہ ٹھیریگی؟ اسکے جواب میں اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے جو معنی ہیں وہ تو سیدھے سادہ ہیں اور وہ ہم نے بتلا دئے۔ اب یہ سوال خدا سے کرو کہ لغو اجازت سے کیا فایدہ مدنظر تھا۔ مگر جہاں تک ہم خدا تعالیٰ کے کلام کے سمجھنے کی طاقت رکھتے ہیں ہم اُس کے سمجھنے میں بھی کوئی دقت نہیں پاتے۔ جس طریق سے اللہ تعالیٰ نے تعدُّد ازدواج کی ممانعت فرمائی ہے وہ تعلیق محال بالمحال ہے۔ اس طریق سے گفتگو کرنے سے ممانعت کی تاکید زیادہ سخت کردی جاتی ہے۔ کسی بوالہوس کو کہا جاے کہ اگر عنقا مل سکتا ہے تو تجھے کیمیا بھی مل جائیگی۔ اِس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ یہ شخص عنقا کے وجود پر یقین اور اُس کے ملنے کی امید رکھتا ہے اور جس روز عنقا ملیگا اُسی روز کیمیا بھی ہاتھ آجائیگی۔ محض نادانی ہے۔ تعلیق محال بالمحال کی نہایت عمدہ مثال خدا تعالیٰ کے ایک اور قول میں ہے جہاں فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰي يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (سورہ اعراف) یعنے جب تک سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ نہ نکل جائیگا کوئی کافر بہشت میں نہ جائیگا۔ اس سے یہ سمجھنا کہ واقعی ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ اُس وقت اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے گذر جائیگا۔ خلاف منشاء قایل تفسیر کرنی ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے قصداً شاعرانہ غرض سے اس فرضی خیال کو واقعی تسلیم کرکے ایک نہایت لطیف مضمون باندھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ؎ اُنچہ برمن مے رود گر برشتر رفتے زغم ۔ میزوندے کافراں در جنت الماوا علم * یعنے

جو غم مجھ پر گذرتا ہے وہ اگر اونٹ پر گذرے ۔ تو کافر بہشت میں پہنچ جائیں ۔ مطلب شاعر کا یہ ہے کہ اس غم سے اونٹ اس قدر لاغر ہو جائے کہ سوئی کے ناکہ میں سے اُس کا نکلنا ممکن ہو جائے ۔ اور چونکہ کافروں کا بہشت میں داخل ہونا اسی شرط کے ساتھ مشروط تھا اس لئے وہ بھی بہشت میں داخل ہو جائیں ۔ جواز تعدُّد ازدواج کی نسبت جو خداوند تعالیٰ کا قول ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے جس کا منشاء اظہار اس امر کا ہے کہ تعدّد ازدواج میں سخت اندیشہ عدم قیام عدل کا ہے ۔ ہاں اگر کوئی ایسا بشر ہے جسے عدل نہ کرسکنے کا اندیشہ نہ ہو تو وہ جتنی چاہے بیبیاں کرلے ۔ دو دو تین تین چار چار ۔ بلکہ یہاں یہ بھی مقصود نہیں کہ عدل کرسکنے کی حالت میں چار تک کی ہی اجازت ہے ۔ بلکہ یہ ایک طریق و اسلوب کلام ہے کہ جتنی چاہے کرلو ۔ دو کرو تین کرو چار کرو ۔ کیونکہ حقیقت میں اُس سے کوئی اجازت کسی عدد خاص کی دینی منظور ہی نہیں ہے ۔ اس قول سے تعدد ازدواج کا جواز ثابت کرنا ویسا ہی شاعرانہ خیال کا رتبہ رکھے گا جیسا اوپر کے شعر میں کافروں کا بہشت میں جانا ۔

اصول فقہ و اصول تفسیر کے بموجب اس آیت پر ایک اور قابل غور بحث پیش آتی ہے جس کی طرف شاید اب تک پوری توجہ نہیں کی گئی ۔ ہماری رائے میں اس آیت سے مطلق نکاح کی نسبت کوئی حُکم نکالنا ہی سخت غلطی ہے ۔ بلکہ اس آیت سے صرف ایک خاص صورت کے نکاح کا حُکم نکلتا ہے ۔ عرب کے لوگوں میں ایک نہایت مذموم اور بیرحمی کی رسم زمانہ جاہلیت میں جاری تھی کہ وہ یتیم ولاوارث لڑکیوں کو پال لیتے تھے اور جب وہ بڑی ہو جاتی تھیں تب اُن سے نکاح کر لیتے تھے چونکہ اُن کا کوئی والی وارث نہ ہوتا تھا اس لئے وہ اُن یتیموں کا مال

کرجاتے تھے اور اُن لاوارثوں سے نکاح کرنے کی اصلی غرض اُن کا مال ھضم کرنا ہوتا تھا جیسا آج کل بھی بہت اشخاص طوایف سے نکاح صرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ عمدہ مالیت کا زیور اُن کے ہاتھ آجائے اور بعض اشخاص باوجود نیک بی بی کی موجودگی کے اس تاک میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی مالدار بی بی نکاح میں آجائے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان یتیم بیکس لڑکیوں پر ظلم کرنا منع فرمایا اور کہا کہ اُن کے حق میں انصاف کرو اور پھر یہ فرمایا کہ اگر تم کو اپنی قوت انصاف پر بھروسہ نہ ہو۔ اور یہ اندیشہ ہو کہ ایسی بیکس یتیموں سے نکاح ہوگا تو ضرور ہم سے بے انصافی سرزد ہوگی تو ہرگز ایسی لڑکیوں کو نکاح میں مت لاؤ بلکہ اور عورتوں سے جن کے والی وارث موجود ہوں جو تم سے اُن کے سلوک کی نسبت بازپرس کرسکیں نکاح کرلو۔ لیکن اُن کے ہمراہ بھی عدل کی شرط ہے کیونکہ وہ اصل اصول نکاح ہے اگر تم عدل کرسکتے ہو تو چار تک نکاح کرلو اگر عدل نہیں کرسکتے تو صرف ایک نکاح کرو۔

اب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت سے عام نکاح کے متعلق کوئی حُکم دینا مقصود شارع نہ تھا بلکہ جو لوگ لاوارث لڑکیوں پر ظلم کرتے تھے صرف اُن کے نکاح کے باب میں یہ آیت وارد ہوئی ہے۔ پس اگر اس زمانہ میں بھی اس قسم کے لوگ ہوں کہ اُن کے اختیار میں یتیم لڑکیاں ہوں اور اُن سے نکاح کرنے میں یہ اندیشہ ہو کہ انصاف قایم نہیں رہ سکیگا تو اس آیت کے رو سے اُن کو جایز ہے کہ وہ بشرط عدل ایک سے زیادہ نکاح کرلیں الا اگر یہ صورت نہیں ہے تو عام نکاح کی نسبت کہ آیا ایسی حالت میں بھی ایک سے زیادہ نکاح جایز ہے یا نہیں قرآن مجید ساکت ہے اور غالبًا اس امر کا تصفیہ حالت تمدّنی و تہذیب زمانہ و سہولت فریقین

پر چھوڑا گیا ہے۔ پس اس حکم قرآنی سے کسی طرح تعدّد ازدواج کا جواز بالعموم ثابت نہیں ہوتا اور اس لئے یہ حکم مردوں کی فضیلت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

طلاق کا اختیار جو مردوں کو دیا گیا ہے وہ ایسا ہے کہ مردوں کو اس سے شرمانا چاہئے اور اگر اُن میں شرافت انسانی کا ثبوت ہو سکتا ہے تو اُس اختیار کو استعمال میں نہ لانے سے ہو سکتا ہے طلاق ایک نہایت تلخ مزہ دوا ہے جو صرف ایسے مرض کا علاج ہے جس کی اور کوئی تدبیر معالجہ نہ ہو سکے۔ میاں بی بی کے باہمی تعلقات ایسے نازک اور اہم اور قابل اخفاء ہوتے ہیں کہ دنیاوی عدالتوں کی طرف اُن کے انفصال کے لئے رجوع کرنا اُن رنجشوں کو اور ترقی دینا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نکاح ایک معاہدہ مثل دیگر معاہدوں کے ہے اور معاہدوں کی تکمیل کے بعد ہر فریق کو اختیار ہے کہ عہد شکن فریق کو ایفاء معاہدہ پر شرعاً مجبور کرے یا کرائے۔ مگر یہ عہد شکنی ایسی حالت قلبی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اُس حالت کی موجودگی میں جبرًا ایفاء معاہدہ کرنا صرف ایک ظاہری ایفاء ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقتہً وہ معاہدہ شوہر و زوجہ کی قلبی ارتباط سے تعلق رکھتا ہے اور جبر سے اُس کا ایفاء حقیقی ممکن نہیں ہے۔ کچھ شک نہیں کہ ظاہری معاہدہ ایک بیرونی نشان اور اعلان دو شخصوں میں روحانی رشتہ پیدا ہونے کا ہے لیکن روح کھو کر صرف جسم باقی رکھنا یعنی اصلی اغراض نکاح کو چھوڑ کر عدالت سے ظاہری معاہدہ کا ایفاء بہ جبر کرانا کیا فایدہ دے سکتا ہے۔ ضرور ہے کہ ایسے ناگزیر حالات میں فریقین کی رائے سے علٰحدگی کی اجازت دی جائے مگر سوال یہ ہے کہ کس فریق کے ہاتھ میں یہ اختیار رکھا جاوے۔ ہماری رائے میں جہاں تک طلاق کا باعث ناممکن العلاج رنجش باہمی ہو اُس کا اختیار دونوں فریق میں کسی کے ہاتھ میں

ہونا یکساں نتیجہ پیدا کریگا۔ کیونکہ عموماً یہ ممکن نہیں ہے کہ مرد تو اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں آیندہ تجھ کو اپنی بی بی بنا کر رکھنا نہیں چاہتا۔ اور بیوی کو اُس مرد سے ایسی محبت قلبی ہو کہ اُس سے جُدا نہ ہونا چاہے۔ پس ایسی حالت میں ضرور ہے کہ علٰحدگی ہو خواہ اُس کا اظہار مرد کی جانب سے ہو خواہ عورت کی جانب سے ؛

کوئی شخص اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ عورت میں شرم اور حیاء اور خواہش حفظ ناموس مرد سے بدرجہا زیادہ ہے شرم وحیاء اُس کی سرشت میں گویا خمیر کردی گئی ہے اور تمام وہ اخلاق لطیفہ جن سے نرمی مزاج جو عورت کو طبعًا دی گئی ہے ظاہر ہو اُن میں بدرجہ اتم واکمل پائے جاتے ہیں۔ رحم۔ ترس۔ خوف خدا۔ ہمدردی۔ محبت عورات کی خلقی صفات ہیں۔ جو علٰحدگی طلاق کے ذریعہ سے عمل میں آتی ہے خواہ وہ خاص حالات میں کیسی ہی معقول وجوہات پر مبنی ہو لیکن اُس کا ظہور ایسے انسان سے جس کی سرشت محبت والفت سے بنی ہو نہایت مکروہ وبدنما معلوم ہوتا۔ اور اُس سراپا الفت پر جس کے رگ و ریشہ میں سچی وفاداری رکھی ہے نہایت بدزیب داغ ہوتا اس لئے خدا یتعالیٰ نے ایسے کریہ الزام سے جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ دنیا کی تمام جایز چیزوں میں سے بدترین چیز ہے عورت کی ذات کو محفوظ رکھا۔ افسوس ہے مردوں کے حال پر اور اُن کی نالایقی پر کہ خدا یتعالیٰ تو ایک چیز کو بدترین شے فرمادے اور مرد اُس کو اپنی فضیلت کا موجب قرار دیں۔ البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ آیا مردوں کو کوئی ایسا اختیار تو نہیں دیا گیا کہ اُس کے ذریعہ سے وہ عورتوں کو ناواجب طور پر ستا سکیں۔ ممکن تھا کہ مرد باوجود رنجش باہمی کے عورت کو طلاق دے کر علٰحدہ

نہ کرتا اس غرض سے کہ وہ اس حالت زبون سے نجات نہ پائے ایسی صورت میں عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جبراً مرد سے بذریعہ قاضی طلاق حاصل کرلے - اور عورت کے اس حق کو عرف شرع میں خلع کہتے ہیں - اس صورت میں بھی گو عورت اپنا مقصد علیٰحدگی حاصل کرلیتی ہے مگر بقول شخصے کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے خدا تعالیٰ نے علیٰحدگی کا الزام عورت پر آنے نہیں دیا بلکہ ظاہراً اُس کو قاضی کی طرف منتقل کردیا - اخبار صحیحہ میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں حفصہ بنت سہل ایک نہایت حسینہ و شکیلہ عورت تھی - اُس کا شوہر جو نہایت بدشکل تھا اُس کے حسن و جمال پر فریفتہ تھا مگر بی بی کو اُس سے سخت نفرت تھی اور اُن میں ہر روز بدمزگی و رنجش رہتی تھی - آخرش حفصہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت میرا دل اپنے شوہر سے ازحد نفرت رکھتا ہے اور خوف ہے کہ مبادا حقوق شوہر میں کمی کرنے سے مجھ سے مواخذہ ہو - آپ مجھے اُس سے جُدا کردیجئے - آپ نے بہت کچھ سمجھایا - مگر جب دیکھا کہ اُن کا اتفاق مشکل ہے تو اُس کے شوہر سے اُس کو علیٰحدہ کرنے کو کہا - شوہر نے عرض کیا کہ میں نے اس کو ایک باغ دیا ہے اور اب یہ خود بلا میرے قصور کے مجھ سے علیٰحدہ ہوتی ہے - پس میرا باغ واپس کرادیجئے - حفصہ نے کہا کہ اگر باغ کے ساتھ کچھ اور بھی لیکر مجھے چھوڑدے تو غنیمت ہے - آخر حضرت نے صرف باغ واپس کراکر اُن کو علیٰحدہ کردیا - پس مرد کی بدسلوکیوں سے بچنے کے لئے عورتوں کو اس سے بہتر اور کیا حق دیا جاسکتا تھا اور اس سے زیادہ دلجوئی و مراعات عورات کی کیا ہوسکتی تھی جو شارع علیہ السلام نے قانون شرعی میں ملحوظ رکھی - دنیا کی سب دلایل جب محض نکمی نکلیں تو مرد عالم آخرت کی طرف دوڑے اور اپنی

فضیلت کا دارمدار حوران بہشتی پر ٹھیرایا۔ مگر یہ دلیل بھی اپنی بیہودگی میں باقی دلایل سے کم نہیں ؛

قرآن مجید کے الفاظ جن پر یہ فرضی بزرگی ثابت کی جاتی ہے یہ ہیں۔ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ یعنے اُن کے لئے بہشت میں پاک جوڑے ہونگے۔ ان الفاظ سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ھُمْ جو ضمیر مذکر ہے مردوں کی طرف راجع ہے اور ازواج سے حوران بہشتی مراد ہیں۔ مگر اس آیت کے یہ معنے سمجھنا قرآن مجید کے طرز خطاب و سیاق کلام اور خاص اسلوب کلام الٰہی سے ناآشنائی ظاہر کرتا ہے ؛

قرآن مجید کا خاص طرز ہے کہ جس خطاب میں وہ مرد اور عورتوں کو شامل و داخل سمجھتا ہے اکثر اوقات اس کو صرف بصیغہ مذکر تغلیباً استعمال کرتا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی آیت ہی کو دیکھو جہاں فرمایا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ الخ اس آیت میں متقین اور اُس کے بعد تمام صیغہاے فعل بصورت مذکر ہیں حالانکہ یہ مقصود ہرگز نہیں کہ قرآن مجید اُن پرہیزگار مردوں کے واسطے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ بلکہ ان میں عورات بھی داخل ہیں۔ سیکڑوں جگہ قرآن مجید میں اقیموا الصلوة و اٰتوا الزکاة بصیغہ مذکر آیا ہے۔ کیا یہ سمجھنا صحیح ہے کہ نماز اور زکوٰة کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے اور عورتیں اُس سے معاف ہیں۔ ہرگز نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس روزہ رمضان کی نسبت حکم ہے کہ مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ جس کے لغوی معنے یہ ہیں کہ تم مردوں میں سے جو چاند دیکھے اُس کو روزہ رکھنا چاہئے۔ اگر اس حکم میں عورات کو داخل نہ سمجھیں

توکوئی حکم فرضیت روزہ کا عورات کے لئے قرآن مجید سے نہ نکلیگا۔ پس ایسے مقامات پر مذکر کا صیغہ خاص مردوں کے لئے استعمال نہیں کیا گیا بلکہ تغلیباً استعمال کیا گیا ہے۔ اُردو میں بھی اس طرح کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ بُرا کرنے والے کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ بُرا کرنے والی (عورت)، کا انجام بُرا نہیں ہوتا۔ اسی طرح زوج سے بی بی مراد سمجھنا بھی غلطی ہے۔ عربی میں زوج کے معنے جوڑے کے ہیں۔ عورت مرد کی زوج اور مرد عورت کا زوج کہلاتا ہے اس لفظ کا اس قسم کا استعمال بھی نہایت خوبصورتی سے حقوق زوجین کے مساوات ظاہر کرتا ہے۔ پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے نیک اعمال ہونگے وہ بہشت میں جائینگے اُن کو وہاں پاک جوڑے ملینگے۔ یعنے مردوں کو عورتیں اور عورتوں کو مرد +

اس معنی پر شاید یہ تعجب ہوگا کہ مردوں کو تو حوران بہشتی ملینگی مگر عورتوں کو کیا ملیگا۔ یہ تعجب صرف اس سبب سے پیدا ہوتا ہے کہ مردوں نے اپنی سفاہت اور دنائت نفس کی وجہ سے بعض مقامات قرآن مجید کے ایک خاص معنے اپنے ذہن میں قرار دے لئے ہیں اور اُن کو صحیح فرض کر لیا ہے۔ اب اگرچہ وہ دوسرے صحیح معنے کے اختیار کرنے پر آمادگی ظاہر کرتے ہیں اور اپنے ذہن کا معانی مشہورہ سے خالی کر دینا بتلاتے ہیں۔ مگر اُن معانی مشہورہ کا بے معلوم اثر اُن کے دل پر باقی رہتا ہے اور وہ اثر کسی دوسرے معنے کو پسپاں نہیں ہونے دیتا۔ سب لوگوں کے دلوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ قیامت کے دن مردوں کو حوران بہشتی ملینگی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ یہ خیال غلط ہے اس کو دل سے دور کر دو۔ اور جو معنے ہم بتلاتے ہیں وہ سنو۔ وہ کہتے ہیں کہ اچھا ہم نے اپنے ذہن سے وہ معانی تو دور کر دئے۔ اب بتلاؤ کہ مردوں کو تو حوران بہشتی

ملینگی۔ عورتوں کو کیا ملیگا؟ حالانکہ مردوں کو حوران بہشتی کا بمعانی معروف ملنا ہی تو ذہن سے خارج کرنا تھا۔ اب اُسی کو تسلیم کرکے اعتراض کیا جاتا ہے جو سخت غلطی ہے قرآن مجید میں ایک آیت ایسی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ حوران بہشتی کوئی جداگانہ مخلوق ہے جو مردوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ عربی زبان میں ہر سیاہ چشم گوری عورت کو حور کہتے ہیں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز سب آدمی جوان اور یکساں عمر کے پیدا کئے جائینگے۔ مردوں کی نسبت زیادہ صراحت نہیں کی گئی لیکن عورتوں کی نسبت توصاف ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے اُن سب کو ایک اُٹھان پر

قال اللہ انشاناھن انشاءً فجعلناھن ابکاراً عُرُباً اترابًا لاصحاب الیمین الواقعہ

اُٹھایا ہے اور اُن کو کنواریاں کردیا۔ اپنے شوہروں کی ہم عمر اور پیار دلانے والیاں۔ انہیں عورتوں کو کبھی بہ لفظ سیاہ چشم (حور) اور کبھی بہ لفظ شرمگین (قاصرات الطرف)۔ کبھی بہ لفظ اچھی بیبیاں (خیرات) اور کبھی بہ لفظ بیویاں (ازواج) قرآن مجید میں بیان کیا ہے اور سیاق قرآن اور چند احادیث کے مضمون سے بعض صحابہ و تابعین مثلاً حضرت ابن عباس اور مجاہد اس طرف گئے ہیں کہ آیات

بعضھم یقول بمعنی نساء الدنیا انشئن خلقا آخر ابکارا قال الشعبی وزاد لم یمسھن منذ انشئن خلقا قال ابن عباس من الادمیات اللاتی متن ابکارا۔ تفسیر کبیر و مثیر ساکن الغرام الی روضات دار السلام

قرانی میں جن الفاظ سے حوریں ایک جدا مخلوق سمجھی جاتی ہے وہاں دنیا کی عورتیں ہی مراد ہیں۔ اور اس بات کے کہنے سے کہ کوئی اُن کے پاس نہیں پھٹکا یہ مراد ہے کہ جب سے وہ دوبارہ پیدا ہوئیں تب سے اُن کے پاس کوئی نہیں پھٹکا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جن خوبصورت عورتوں کے ملنے کا ذکر ہے

وہ دنیا کی ہی بیبیاں ہیں جو اُس عالم قدس میں بل کر حسین اور پیار دلانے والیاں کردیجائینگی اور پاک زندگی کے ساتھ اپنے پیارے شوہروں کے ہمراہ ایسی جاوِدانی حالت میں رہینگی کہ اُن میں پھر تغیر و تبدل نہوگا۔ سورہ رعد میں خدایتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہل جنت بہشت جاودانی میں داخل ہونگے اور اُس جگہ اُن کے باپ اور اُن کی بیبیاں اور اُن کی آل و اولاد بھی جو نیکوکار تھی۔ ہوگی۔ پھر سورۂ طور میں فرمایا کہ جو لوگ ایماندار ہیں اور اُن کی اولاد بھی ایماندار ہے اُن کو ہم اُن کی اولاد کے ساتھ ملا دینگے۔ پھر سورہ زخرف میں فرمایا ہے کہ اپنی بیبیوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو اور اُس کی سیریں کرو۔ غرض اسی قسم کی اور بہت سی آیات قرآنی ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ اُس روحانی پُرلطف زندگی میں اہل جنت اپنے پیارے عزیز و اقارب کو اپنے ساتھ پائینگے *

جنات عدنٍ یدخلونہا و من صلح من آبائہم و ازواجہم و ذریاتہم الخ

الذین اٰمنوا واتبعتہم ذریتہم بایمان الحقنا بھم ذریتھم الخ

قال اللہ تعالیٰ ادخلوا الجنۃ انتم و ازواجکم تحبرون ۰ (الزخرف)

ان تمام بیانات و تشریحات سے بخوبی ثابت ہوا کہ نہ مردوں کی ساخت دماغی میں کوئی ایسی بات ہے کہ اُس کے رو سے وہ کسی خاص مسئلہ عقلی سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں اور عورتیں اُس کے سمجھنے سے قاصر ہیں نہ قرآن مجید نے مردوں کو کوئی ایسی منزلت دی ہے کہ اُن کو عورتوں کا حاکم یا[۱]

[۱] بعض احادیث میں آیا ہے کہ اگر خدا انسان کو انسان کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔ ایسی احادیث میں شوہر کے درجہ کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ مرد عورت کی تمیز سے بحث نہیں ہے۔ بعض رشتے اور بھی ایسے ہیں جن کو خدا نے بزرگی دی ہے۔ مثلاً باپ کا درجہ۔ بیٹے اور بیٹی سب پر باپ کا بے حد ادب اور تعظیم لازم ہے۔ حالانکہ بیٹا اور باپ دونوں مرد ہیں اور کوئی ذاتی فرق نہیں رکھتے۔ اسی طرح شوہر بوجہ رشتہ شوہری بیوی سے ادب و تعظیم کا مستحق ہے۔ ایسی احادیث سے نہ مردوں کی وہ فضیلت ثابت ہوتی ہے جو مرد ثابت کرنا چاہتے ہیں اور نہ ان احادیث سے ہم انکار کرکے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عورتوں کو شوہروں کی تعظیم و اطاعت نہیں چاہئے۔

یہی معنی للرجال علیہن درجۃ کے ہیں۔ رجال سے عام طور پر مطلق مرد مراد نہیں ہیں بلکہ رجال سے شوہر مراد ہیں کیونکہ یہ آیت شوہر و زوجہ کے حقوق کے متعلق ہے نہ مطلق مرد اور مطلق عورت کے متعلق فافہم۔

سروا سمجھا جائے۔ جہاں تک احکام شرعی پر غور کی گئی ہے مردوں اور عورتوں میں مساوات حقوق ثابت ہوتی ہے۔ سورہ نساء جس میں عورتوں کی نسبت زیادہ تر احکام ہیں اس طرح شروع ہوتی ہے۔ اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک قسم کی جان سے پیدا کیا اور

یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا

اُسی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ اس سورۃ میں ورثاء اور یتیموں اور عورتوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں اور اُن کے حق میں بے انصافی کو منع کیا ہے اس لئے اول ہی فرمایا کہ سب مرد اور سب عورتیں ایک سی جان اور ایک سی خواہشیں رکھتی ہیں جس طرح تم کو حق تلفی سے رنج پہنچتا ہے اسی طرح دوسرے مظلوم مردوں اور عورتوں کو پہنچتا ہے کیونکہ تم سب ایک طرح کی جان رکھتے ہو۔ اس لئے اُن کے حق میں بے انصافی کرنے سے اللہ سے ڈرو۔ پھر اسی سورہ میں باوجود اس کے کہ عورت کے جملہ مصارف شوہر کے ذمہ ہیں اُس کو ترکہ پدری میں مرد کے نصف حصہ کی برابر اُدھ حصہ دیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بلکہ بعض صورتوں میں مرد اور عورت کا حصہ بالکل برابر ہی کر دیا مثلاً اگر میت اولاد اور والدین چھوڑے تو اُس صورت میں میت کے والدین کو چھٹا چھٹا حصہ ملیگا یعنی اُس کی ماں اور باپ مساوی حصہ پائینگے علیٰ ہذالقیاس جب میت کے نہ والدین ہوں نہ اولاد بلکہ صرف بھائی بہن ہوں تو بھائی بہن کے لئے بھی مساوی حصہ مقرر کیا گیا ہے +

پھر عورتوں کے لئے حق مہر جدا مقرر کیا گیا ہے اور بحالت طلاق اُس تمام مہر میں سے خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو مرد کو ایک حبہ تک واپس لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ عرب میں ایک

نہایت خراب دستور تھا کہ جب کسی عورت منکوحہ سے نفرت ہوجاتی تھی تو اُس کے ساتھ سخت
کج ادائی کرتے تھے لاچار وہ دق ہوکر مہر واپس کرکے طلاق لے لیتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس رسمِ
قبیح کو اس طرح منع فرمایا کہ عورتوں کو تنگ مت کرو اس نیت سے کہ جو تم نے اُن کو دیا ہے اُس میں
سے کچھ واپس لو۔ پھر اُن کے ساتھ حُسن سلوک کی یوں
تاکید فرمائی ہے کہ عورتوں کے ساتھ نیک معاشرت کرو۔
اور اگر تم کو وہ بُری لگیں تب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے
کہ تم کو ایک شے بُری لگے اور اللہ اُس میں تمہارے لئے
بھلائی کرے۔ پھر مرد اور عورت میں مساوات اس طرح ظاہر
فرمائی کہ مردوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی
کمائی کا حصہ ہے یعنے دونو برابر ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح
نہیں ہے ہر ایک کے لئے اپنے اپنے اعمال ہیں ÷ پھر
عورتوں کے حق خُلع کو یوں بیان فرمایا اگر کوئی عورت اپنے
شوہر کی بدمزاجی سے ڈرے تو کچھ حرج نہیں کہ وہ آپس میں
صلح کرلیں اور اگر وہ علیحدہ ہوجائیں تو ہر ایک کو اللہ اپنی
فراخ دستی سے غنی کریگا۔

پھر شوہر و زوجہ میں ناموافقت ہونے کی صورت
میں مصالحت عمل میں لانے کے لئے بھی وہی طریق

لا تعضلوهن لتذهبوا ببعض
ما اٰتيتموهن عاشروهن
بالمعروف فان كرهتموهن
فعسىٰ ان تكرهوا شيئًا
ويجعل الله فيه خيرًا كثيرًا۔
للرجال نصيبٌ مما اكتسبوا و
للنساءِ نصيبٌ مما اكتسبن۔
وان امرأة خافت من بعلها
نشوزًا او اعراضًا فلا جناح عليها
ان يصلحا بينهما صلحًا والصلح
خيرًا واحضرت الانفس الشح
وان تحسنوا وتتقوا فان الله
كان بما تعملون خبيرًا ط وان
يتفرقا يغن الله كلا من سعته

مساوات قایم رکھ کر فرمایا کہ اگر میاں بی بی میں نااتفاقی کا اندیشہ ہو تو دو ثالث فیصلہ کے لئے

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا

مقرر کرو ایک ثالث شوہر کے کُنبہ میں سے اور دوسرا ثالث بی بی کے کُنبہ میں سے ۔ غرض جہاں تک قرآن مجید کی آیات پر غور کی جاتی ہے عورتوں کے حقوق کی مردوں کے حقوق کے ساتھ مساوات ثابت ہوتی ہے ‌۔

مردوں اور عورتوں میں خلقی فرق جو ہے وہ صرف اعضاء بقاء نوع سے تعلق رکھتا ہے اور کسی قوۃ دماغی کا انحصار اس فرق پر نہیں ہے ۔ اس فرق کا اور نیز اس امر کا کہ عورتیں خلقۃً کمزور ہیں صرف یہ مقتضاء ہے کہ عورت بچے جنے اور اُن کی پرورش کرے اور مرد تمام امورات شاقہ کے متحمل ہوں اس فرق بیّن کے علاوہ بعض حذاق نے مرد و عورت کے قوی ٰ دماغی میں بھی ایک نازک فرق محسوس کرنے کا دعویٰ کیا ہے یعنے یہ کہ مردوں میں ادراک کلیات کا مادہ فطرتاً زیادہ ہے اور عورتوں میں ادراک کلیات کی قابلیت بہت کم ہے اُن کا ذہن صرف ادراک جزئیات کے لئے مناسب ہے ۔ مگر اول تو یہ تفریق صرف فرضی و وہمی معلوم ہوتی ہے جس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے ۔ دوم اگر یہ فرق حقیقت میں قابل محسوس ہو سکنے کے ہے تو اُن کی حالت موجودہ تربیت و حالت تمدنی سے اُس کی بخوبی توجیہ ممکن ہے ۔ سوم اگر یہ فرق واقعی قُویٰ دماغی میں ہے تو اس کی وجہ سے عورتوں میں ایک ایسا وصف پایا جاتا ہے جس کا مقابلہ مردوں سے اُس وصف میں نہیں ہو سکتا ۔ یعنے ادراک جزئیات کے لئے قوی ٰ کے مناسب ہونے سے اُن میں انتقال ذہن اس سرعت سے ہوتا ہے کہ مردوں میں ممکن نہیں ہے ۔ بلکہ اس کے ساتھ

ہر امر کے کُنہ کو نہایت برق نگاہی سے پالینا۔ نہایت لطیف لطیف باتوں کو اشارہ میں سمجھ جانا اور ایک امر کو چھوڑ کر دوسری طرف اور دوسرے امر کو چھوڑ کر تیسری طرف نہایت آسانی سے ذہن کو منتقل کرلینا یہ اوصاف جس اتم و اکمل درجہ کے عورات میں پائے جاتے ہیں وہ مردوں میں نہیں پائے جاتے۔ ممکن ہے کہ اگر ادراک جزئیات کی نسبت ادراک کلیات کے لئے عورتوں کے دماغ زیادہ موزوں ہوتے تو وہ بے حد تنوّع جو بے شمار امور خانہ داری میں پایا جاتا ہے انہیں خانہ داری کے قابل نہ رکھتا۔

مختصر یہ کہ قویٰ عقلی میں عورتیں کسی طرح مردوں سے کم نہیں ہیں اور کوئی علمی مسئلہ آج تک ایسا ثابت نہیں ہوا کہ وہاں تک مردوں کے ذہن کی رسائی ہوتی ہو اور عورتوں کی نہ ہوتی ہو۔ بلکہ جہاں تک ہمارا اور ہمارے چند احباب کا تجربہ لڑکیوں کی تعلیم کے باب میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیاں زیادہ ذہین اور طبّاع اور روشن ضمیر ہوتی ہیں۔ جن لڑکیوں نے مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی اور اپنے گھروں میں نوشت و خواند سیکھی ہے اُن کا قصہ سُننے سے ہمیں بے انتہا تعجب ہوا۔ اکثر صورتوں میں یہ ہی سُنا کہ اُن کو کوئی باقاعدہ تعلیم نہیں ہوئی نہ کوئی خاص شخص اُن کی تعلیم کے لئے مخصوص ہوا بلکہ دو چار حرف بہن سے۔ دو چار حرف بھائی سے۔ دو چار حرف والدہ سے اُٹھتے بیٹھتے سیکھتی رہیں بھائی بہنوں کو لکھتے دیکھ کر خود اُن کی نقل کرنے لگیں۔ رفتہ رفتہ خود ہی اس قدر لکھنا پڑھنا آگیا کہ کئی کئی سال تک کے لئے بھائیوں کی تعلیم کی خاصی معلمہ بن گئیں۔ ہم نے کبھی کسی لڑکے کو اس طرح کی ادھوری تعلیم سے کوئی فایدہ حاصل کرتے نہیں دیکھا جس والدین یا بھائی کو یکساں عمر کا لڑکا اور لڑکی پڑھانے کا اتفاق ہوا ہوگا اُسے صاف روشن

ہوگیا ہوگا کہ لڑکے عموماً عقل کے بھدّے۔ اور کم تیز ہوتے ہیں اور لڑکیوں کے ہمراہ ہمیشہ پھسڈّی رہتے ہیں +

قویٰ اخلاقی میں تو یقیناً عورتوں کا پلہ بہت ہی بھاری ہے۔ شرم وحیاء وعفّت جس قدر عورات کی سرشت میں دیکھوگے اُس قدر کیا اُس کا عُشر عشیر بھی مردوں میں نہیں ہے منشی عنایت اللہ لاہوری کی بہار دانش میں جتنے ناپاک قصے عورتوں کی بدروگی اور بیوفائی کے ہیں اُن میں سے ہر ایک قصہ میں سب سے زیادہ نُمایاں بدچلنی اور بدمعاشی کسی نہ کسی مرد کی پائی جاتی ہے جو اپنی عیارانہ چالوں سے شیطان مُجسّم بن کر باعث خلل اندازی عفّت عورات ہوا ہے۔ درحقیقت اُن حکایات سے عورتوں کی نسبت زیادہ تر مردوں کی ہی بدچلنی ثابت ہوتی ہے۔ بعض حضرات عورتوں کے خلاف اس قدر سخت تعصب رکھتے ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہر کی مَوت کے بعد نکاح ثانی بھی کرلیتی ہیں تو اس مثال کو بطور حکایت بیوفائی پیش کرتے ہیں۔ وہ خود برخلاف حکم خدا ورسول متعدد نکاح کرتے ہیں۔ کسی جورو کے حق میں اپنا فرضی عدل بھی پورا نہیں کرتے اور بی بی کے مرتے ہی دوسری شادی کرتے ہیں اور اس شادی سے جو آفات پہلی بی بی کی اولاد پر پڑینگی اُن کا بھی مطلق خیال نہیں کرتے پھر بھی بے وفا نہیں ٹھیرتے۔ اور غریب بیکس بیوہ جو خدا ورسول کے حکم کی تعمیل میں اور اکثر حالات میں قوت لایموت سے عاجز آکر نکاح جایز کرتی ہے وہ بے وفا کہلاکر ہدف تیر ملامت بنتی ہے۔ اگر نکاح ثانی علامت بیوفائی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مردوں کو سب سے زیادہ بے وفاء اور دغاباز نہ کہا جاوے جو محض بندہ نفس بن کر شادی پر شادی کرتے اور شریعت الٰہی کو توڑتے اور اولاد کے حق میں کانٹے بوتے ہیں عورتوں کو بے وفاء

کہنے پر مردوں کو اللہ شرمانا چاہئے۔ مسلمانوں میں نہ سہی تو نہ سہی۔ ہندوؤں کی قوم کی عورتیں بھی آخر عورتیں ہیں جو اپنی بے مثل وفاداری اور جاں نثاری میں ہمیشہ سرخرو رہینگی۔ ستی کی رسم کیسی ہی مذموم کیوں نہ ہو۔ مگر اُس کی اصلیت پر غور کرو اور ایمان سے کہو کہ دنیا میں کسی قوم کسی ملت کسی مذہب میں کوئی مردوں کا بھی ایسا وفادار گروہ دیکھا یا سُنا گیا ہے جو بیویوں پر اپنی جان اس طرح نثار کرتا ہو جس طرح عورتوں کی نوع اپنے پیارے شوہروں پر پروانہ وار جان دیتی ہے۔ مرزا صائب کہتا ہے ؎ درمحبت چوں زنِ ہندو کسے مردانہ نیست۔ سوختن بر شمع مردہ کار ہر پروانہ نیست ٭

ان سب امور کے سوا جن میں سے متعدد فضیلت عورات ثابت کرتے ہیں یہ بات بھی کچھ کم قابل بیان نہیں ہے کہ گو اللہ تعالیٰ کوئی صورت شکل نہیں رکھتا مگر اُس پر سب اہل مذاہب جمیل کا اطلاق کرتے ہیں اور سب مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ جمیل ویحب الجمال۔ یعنے اللہ تعالیٰ صاحب جمال ہے اور وہ خوبصورتوں کو دوست رکھتا ہے اس میں کیا شک ہے کہ اُس نے اپنے جمال جہاں آرا سے زیادہ تر حصہ عورتوں کو دیا ہے اور ہر قوم اور ہر ملک میں مردوں کی نسبت عورتوں میں حسن زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ شان محبوبیت جو خدا یتعالےٰ نے اپنی شانِ کبریائی اور نور محمدی کا نمونہ بنایا ہے عورتوں میں پائی جانی اُن کی عزت و توقیر کا کافی خیال دلاتی ہے۔ اور وہ اپنی بے مثل مسخر کنندہ طاقت میں دنیا کی تمام طاقتوں اور مردوں کی قوتوں کو برگِ کاہ سمجھتی ہیں۔ کس کو معلوم نہیں کہ جو فولاد دل کسی دنیا کی مصیبت یا آفت سے نہ جھجکتے تھے اور جو تیغ وتبر کی کوچوں کو پھول کی چھڑیاں سمجھتے تھے اُنہیں ایک نگاہِ مست نے بے حواس کر ڈالا۔ دنیا میں اس زور کی کون سی قوت برقی ہے جس کی ایک چنگاری کا آتشیں اثر بہادروں

کے خرمنِ ہوش اور عابد کی ریاضتِ صد سالہ کے جلانے کو کافی ہے۔ایک نگاہِ ناز نے زہاد و
عابدوں کے زہد کو ڈبویا ہے اور بڑے بڑے پرہیزگاروں سے اپنے در پر جبہ سائی کروائی ہے۔
غرض حسن کے مسمریزم نے کسی کو مجنوں وار دیوانہ صحرانوردبنایا۔کسی کو فرہادصفت کوہ کن ٹھیرایا۔
کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ یہ شان محبوبیت اُس معشوق حقیقی کے حسن جہاں افروز کا جزو نہیں ہے
کیا یہ ذرہ اُسی آفتاب عالمتاب کا نہیں ہے جس نے جہان کو منور کیا ہے ؟ کیا عورتیں مستحق نہیں
ہیں کہ فخر سے کہیں ؎ گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ ۔ ذرۂ آفتاب تابانیم ؟

تعلیم

اب وہ زمانہ نہیں رہا جبکہ عورتوں کی تعلیم ایک نامانوس آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور سینا اور
پکانا اور کاتنا عورتوں کے طبعی فرایض سمجھے جاتے تھے۔ لوگوں نے مانا یا نہ مانا مگر زمانہ نے
عورتوں کو پڑھانا شروع ہی کردیا۔اس لئے اب وہ مرحلہ کہ عورتوں کو تعلیم دینی چاہئے یا نہیں
طے ہوگیا۔بچوں کی نیک تربیت۔امورِاتِ خانہ داری کا حسن انتظام۔حقوق اللہ اور حقوق
عباد کی معرفت اور تعلیم یافتہ شوہروں بھائیوں باپوں کی نگاہوں میں مقبولیت۔غمگین دل
کی خوشی۔تنہائی میں رفیق مونس کی رفاقت ان سب ترغیبات یا شاید تعلیم پسند زمانہ کی محض
تقلید نے سب رسم و رواج کی بندشوں اور دستور قدیم کی بیڑیوں اور تلقینی عادات کی قیدوں
کو جھٹکے مار کر توڑ ڈالا ہے۔اور تھوڑا بہت چرچا تعلیم کا ادنےٰ اعلےٰ ہر طبقہ کی عورتوں میں ہوگیا
ہے۔گو کسی طبقہ میں مرات العروس و توبۃ النصوح پسند کی جاتی ہیں اور کسی طبقہ میں کنز المصلی یا
راہ نجات یا بعد حمد کافی سمجھی جاتی ہے۔اور کوئی قرآن مجید یا پنجسورہ پر قناعت کرتے ہیں۔ اگر

یہی رفتار زمانہ چلی جاوے تو جلد وہ زمانہ آجائیگا کہ کسی تعلیم یافتہ شوہر کو ناخواندہ بی بی رکھنی پسند
نہ آئیگی ۔ لوگ کچھ ہی کریں زمانہ ان سب مختلف طبقات خلایق کو ایک خاص درجہ تہذیب و شایستگی
پر ضرور پہنچا کر رہیگا ۔ خواہ یہ لوگ گرتے پڑتے خراب ہوتے سخت منزلیں طے کر کر منزل مقصود کو پہنچیں
خواہ سیدھی مختصر آرام کی راہ سے ؂

ہم اس مختصر تحریر میں یہ بات فرض کر کے کہ عورتوں کی تعلیم کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم
ہے صرف اس بات پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں کہ یہ تعلیم کس حد تک ہونی چاہئے اور اُس کی کیا وجوہات
ہیں ۔ عورتوں کی تعلیم کی ضرورت خواہ کسی فایدہ دینی یا دنیاوی کی امید پر تسلیم کی گئی ہو ہماری راے
میں جو امر اُن کی تعلیم کو مردوں کی تعلیم کی برابر ضروری ثابت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اُن میں خدا تعالیٰ
نے وہ سب قویٰ دماغی ودیعت کئے ہیں جو مرد کو عطا ہوئے ہیں ۔ اس لئے عورتوں کو جاہل رکھنا
آدھی دنیا کے قویٰ دماغی کو بیکار کرنا اور اُس حکیم صانع کی صنعت کو لغو ٹھیرانا ہے ؂

جب عورتوں کی تعلیم کی ضرورت اُن کے قویٰ دماغی کی موجودگی پر مبنی ہے تو اُس کی حد
بھی اُن قویٰ کی حد استعداد و اندازہ قابلیت سے مقرر کی جاسکتی ہے ۔ دو باتوں میں سے ایک
بات لازم ہے یا تو عورات کے قویٰ عقلی میں جس قدر معلومات علوم حاصل کرنے کی گنجایش پاؤ
اُن کو اُتنی ہی تعلیم دیتے جاؤ ۔ یا اگر کوئی حد خاص تحصیل علم کے لئے مقرر کرتے ہو تو یہ ثابت کرو کہ
اس حد خاص سے زیادہ علوم حاصل کرنے کا ملکہ جو خدا تعالیٰ نے عورات میں پیدا کیا ہے اُس کو
لغو ٹھیرانے اور بیکار رکھنے کی کیا وجہ ہے ۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو صرف اس قدر
تعلیم کافی ہے جس سے وہ اپنے والدین اور دیگر اقربا کے حقوق پہچان لیں اور نماز روزہ کے

مسایل سے واقف ہوجاویں اس سے زیادہ پڑھانا عورتوں کے لئے نہایت خطرناک ہے اور
وہ لوگ زیادہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے عورتوں کے چال چلن بگڑنے کا سخت اندیشہ رکھتے ہیں۔
لیکن درحقیقت جن اندیشوں اور خیالوں نے اُن کے دل کو گھیرا ہوا ہے وہ اندیشے محض تعلیم
سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ تعلیم کے بے جا استعمال سے۔ دنیا میں مفید سے مفید چیز کو دیکھو اور
غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اُس کا کئی طرح پر بے جا استعمال بھی ہوسکتا ہے۔ اور اُس سے خطرات
پیدا ہوسکتے ہیں۔ قینچی۔ چاقو کیسی کارآمد چیزیں ہیں اور خیال کرو کہ یہ دنیا میں نہ ہوں تو کیسی دقتیں
واقع ہوں۔ لیکن انہیں آلات کو ایک شریر شخص لوگوں کے کان ناک کاٹنے میں استعمال کرسکتا
ہے۔ اب اس اندیشہ سے کہ کوئی بدمعاش چاقو سے لوگوں کی ناک نہ کاٹ ڈالے یہ مناسب
ہے کہ دنیا میں چاقو کا بنانا موقوف کردیا جائے ❊

ریل کس قدر آرام کی چیز ہے۔ مگر انجن ڈرایور کی ذراسی غفلت اور مے نوشی سے کس قدر
خرابیاں وقوع میں آسکتی اور آتی ہیں۔ کیا ان خرابیوں کے اندیشہ سے اُن تمام فوایدبے شمار سے
جو شب و روز خلقت کو حاصل ہو رہے ہیں نظر بند کرلی جاوے ❊

کچھ شک نہیں کہ علم ایک اعلیٰ درجہ کی طاقت ہے اور اُس کو جس مطلب اور جس غرض کے
لئے استعمال کیا جاوے وہ تعلیم کی مدد سے نہایت یقینی کامیابی کے ساتھ حاصل ہوسکتی ہے ❊
تعلیم یافتہ شخص کی خوش اخلاقی۔ معرفت حقوق بزرگوں کی تابعداری۔ مظلوم کے ساتھ ہمدردی
عزیزوں کے ساتھ شفقت۔ بچوں کی پرورش۔ خوش انتظامی اور خوش مجبتی غیر تعلیم یافتہ شخص
کی انہیں قسم کی صفات کی نسبت نہایت اعلیٰ و اشرف و قابل تعریف ہونگے۔ علیٰ ہذالقیاس

تعلیم یافتہ اشخاص کی بدچلنی اور بدوضعی جاہل بدچلنوں پر کئی درجہ سبقت لے جاویگی۔ پس یہ اعتراض
لڑکیوں کی تعلیم پر وارد نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت انسان کی تعلیم پر وارد ہوتا ہے کیونکہ جو نقص تعلیم
سے پیدا ہونے بیان کئے جاتے ہیں اُن سے مرد اور عورت یعنے کل انسان بدرجہ مساوی متاثر
ہونگے۔ پس کیا وجہ ہے کہ تعلیم سے اس قسم کی خرابیوں کا اندیشہ لڑکوں کے لئے تو نہ کیا جاوے
اور لڑکیوں کے لئے یہ خطرات بیان کئے جاویں۔

علاوہ ازیں جب ہم لڑکیوں کی تعلیم کی سفارش کرتے ہیں تو ہماری کس تقریر سے یہ نتیجہ
نکال لیا جاتا ہے کہ ہم اُن کی عمدہ تربیت اور نگرانی کے حامی نہیں ہیں۔ ہم جس کوشش سے اُن کو
تعلیم دلوانا چاہتے ہیں اُسی کوشش سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اُس تعلیم کا نیک ترین استعمال
اُن کو سکھایا جاوے۔

اصل میں مرد دوہری غلطی کرتے ہیں۔ اول تو وہ اپنے آپ کو عورتوں سے افضل اور اعلیٰ
اور ہر طرح ہر حق میں غالب سمجھتے ہیں۔ دوم غلطی یہ کرتے ہیں کہ اس علو و غلبہ فرضی کے لوازم
میں یہ بھی شامل سمجھتے ہیں کہ وہ کسی امر ناشایستہ کا ارتکاب کریں اور اُن سے بازپرس نہ ہو۔
وہ افضلیت کو جابرانہ حکومت کے ساتھ جس میں حاکم خودمختار سے کوئی شخص امر زیبا و نازیبا
کی نسبت بازپرس کرنے کا استحقاق نہیں رکھتا خلط کر دیتے ہیں۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کوئی
اس قسم کی فضیلت مردوں کو حاصل نہیں ہے۔ دوم اگر وہ درحقیقت ایسے اعلیٰ اور ایسے
اشرف ہوں جیسے وہ اپنے زعم میں سمجھے بیٹھے ہیں تو اُن کے چال چلن پر ذرا سا بھی دھبہ
آنا عورتوں کے چال چلن کی نسبت زیادہ بدنما اور بدزیب ہوگا۔ غلام کا کسی حرکت ناشایستہ کا

مرتکب ہونا اس قدر اُس کے لئے باعث بے عزتی نہیں ہوسکتا جس قدر آقا و نامادر کے لئے اُسی قسم کی نالائقی کا مرتکب ہونا۔ پس اگر تعلیم سے کچھ ضرر متصور ہے تو لڑکوں کی تعلیم بند کرنی مناسب ہے۔ نہ کہ لڑکیوں کی ؎

سچ یہ ہے کہ خود مردوں کے اخلاق ایسے بگڑے ہوئے اور وہ ایسی ناپاک زندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ خواہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی کیسی ہی نگرانی کریں اُن کی عملی زندگی اُن کی اولاد کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس صورت میں ایسے موجب ترغیب کے ساتھ علم کی طاقت کے ساتھ کمک پانا اُن سے سخت خراب نتیجہ پیدا کروائیگا۔ کیا روحانی صلاحیت باپ کی نصیحت بچوں میں پیدا کریگی جب اُس نے ایک مسکین تابعدار شریف بی بی کے ہوتے جو بدقسمتی سے خوبصورت نہ تھی گھر میں ایک کسبی ڈال رکھی ہے۔ کیا اثر ہوگا ایک بڈھے ریفارمر کی نصیحت کا لوگوں اور اُس کی اولاد پر جبکہ تعدد ازدواج کے برخلاف پچاس لکچر دینے کے بعد اُس نے عہد پیری میں چاردہ سالہ لڑکی سے بموجودگی اپنی بی بی کے جو شوہر کی بیس سال کی عمر سے ساٹھ سال کی عمر تک رفیق غمگسار رہی نئی شادی رچائی ہو۔ ایسے لوگوں کی سزاء واجبی یہ ہے کہ اُن کی اولاد اُن کے نقش پر چلے اور دنیا کو تبلاوے کہ بدی کا اثر بدی کرنے والے کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ نسلوں تک پہنچتا ہے ؎

لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کتاب عورتوں کے روبرو نہیں آنی چاہیئے۔ اور فلاں کتاب زنانخانہ میں داخل نہیں ہونی چاہیئے۔ ہم کہتے ہیں کہ دیوانخانہ میں ہی کوئی ایسی کتاب کیوں آنی چاہیئے جس کا عورت کے روبرو آنا مضر متصور ہو۔ پس بجاے اس کے کہ کتابوں کی فہرست

تیار کی جاوے جن کا پڑھنا عورتوں کو مناسب ہے نیکی کے ذریعہ سے اپنا چال چلن ایسا پاک اور مضبوط و مستحکم بنانا چاہئے جو اُن میں سچا مذاق خوش اخلاقی کا پیدا کرے اور نیکی کی محبت اور گناہ سے سخت نفرت اُن کے دل میں بٹھاوے تاکہ پھر اُن کی نسبت اس قسم کے اندیشوں کی گنجایش ہی نہ رہے ؀

ہماری اوپر کی تقریر سے معلوم ہوگا کہ ہم عورتوں کی تعلیم کی کوئی حد مقرر کرنا پسند نہیں کرتے مگر کیا ہم پھر یہ چاہتے ہیں کہ اُن کو جبر مقابلہ اور مثی کاٹنے کا حساب اور انگلینڈ کی تاریخ پڑھائی جاے نہیں ہرگز نہیں۔ مگر کیا ان مضمونوں کی کتابوں کے پڑھانے کی مخالفت ہم اس وجہ سے کرتے ہیں کہ عورتوں کے مزاج میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جو اس تعلیم کی منافی ہے۔ نہیں یہ بھی نہیں بلکہ ہم ان کتابوں کا پڑھانا صرف اس نظر سے ناپسند کرتے ہیں کہ جن اغراض کے لئے ہم عورتوں کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں اُن اغراض کے لئے ان کتابوں کا فی الحال پڑھانا چنداں مفید نہیں ہے عورتوں کی تعلیم کی ضرورت کے لئے کوئی تو یہ دلیل لاتا ہے کہ تعلیم پاکر وہ اپنے پرائے کے حقوق سے بخوبی آگاہ ہوجاوینگی۔ کوئی کہتا ہے کہ خانہ داری نہایت سلیقہ سے کرنے لگیں گی۔ کوئی فرماتے ہیں کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ یہ سب دلایل صحیح ہیں مگر اصلی امر یہ ہے کہ یہ سب دل خوش کرنے کی باتیں اور دلایل کی تعداد بڑھانے کا حیلہ ہے۔ موجودہ تمدنی حالت میں عورات باوجود اپنی جہالت کے جملہ حقوق سے آگاہ۔ خانہ داری میں نہایت سگھڑ۔ اور طاعت وعبادت الٰہی کی شایق پائی جاتی ہیں۔ بے شک یہ صحیح ہے کہ بے علم معرفت الٰہی ممکن نہیں ہے مگر جس علم سے یہ بات حاصل ہوتی ہے وہ اور علم ہے۔ مرات العروس اور زبدۃ الحساب سے عرفان الٰہی